Presented by: https://jafrilibrary.com

27

فلسفہ اخلاق

آیت اللہ شہید استاد مرتضیٰ مطہریؒ

شہید مطہری فاؤنڈیشن (پاکستان)
www.shaheedmutahhari.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

فلسفۂ اخلاق

استاد شہید مرتضیٰ مطہری

مترجم:
حجۃ الاسلام مولانا مسرور حسن مبارکپوری

شہید مطہری فاونڈیشن

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نام کتاب: فلسفہ اخلاق
مؤلف: استاد مرتضیٰ شہید مطہری
مترجم: حجۃ الاسلام مولانا مسرور حسن مبارکپوری
کمپوزنگ: انس کمیونیکیشن 0300-4271066
ناشر: شہید مطہری فاونڈیشن
زیرِ اہتمام: ابوظہیر

ملنے کا پتہ
معراج کمپنی لاہور
بیسمنت میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

فہرست

اخلاق کیا ہے؟	6
اخلاقی کاموں اور دوسرے کاموں میں کیا فرق ہے؟	6
بعض کاموں کے اخلاقی ہونے کا نمونہ	8
عفوودرگزر:	8
۲۔حق شناسی اور وفاداری	9
حیوانات پر ترحم	9
اخلاق کے عاطفی ہونے کا نظریہ	21
نظریۂ عاطفی پر تبصرہ	23
نظریہ ارادہ	29
''میل''و''ارادہ''میں فرق	29
اخلاق کے وجدانی ہونے کا نظریہ	33
''وجدان''نفسیاتی نقطۂ نظر سے	38
وجدان علمی	38
وجدانِ اخلاقی	38
وجدانِ زیبائی	38
وجدانِ دینی و مذہبی	38
عقل عملی و عقل نظری	41
کمال وسعادت	44

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کمال وسعادت فلسفۂ اسلامی کے نقطۂ نظر سے	45
بقاءِ نفس	47
کانٹ کے نظریۂ ''وجدان اخلاقی'' پر تبصرہ	50
اخلاق میں حسن وزیبائی کا نظریہ	58
حسن وزیبائی کیا ہے؟	60
زیبائی ''مطلق'' ہے یا ''نسبتی''	61
جاذبۂ زیبائی	62
معنوی حسن اور خوبیاں	63
عقلی حسن وجمال	68
اخلاق روح زیبا سے مربوط ہے	71
نظریۂ عبادت	75
نفس قرآنی نقطۂ نظر سے	90
عزت نفس	95
انسان دو ''نفس'' رکھتا ہے	102
انفرادی خودی، کلی خودی	103
انسان شناسی	116
عقیدہ کی قدر وقیمت	135
تشدد وجرائم کی توسیع	143
ماحولِ زندگی	144
''ایمان'' انسان کے درد کا علاج	150
کمیونسٹی اخلاق	153

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

عرضِ ناشر

اگر انسان حقیقت پسند بننا چاہتا ہے تو اسے پاؤں کے نیچے اور سر کے اوپر مستقل نگاہ رکھنی چاہیئے مگر افسوس کہ ہم اصل عنوان کی طرف متوجہ ہی نہیں مسافر ہے مگر زادِ سفر سے غافل ہے۔ مریض ہے مگر علاج سے غافل ہے، سوسر ہے مگر سواری سے غافل، کھلاڑی ہے مگر کھیل سے غافل، زندہ ہے مگر زندگی سے غافل ہے اور بندہ ہے مگر بندگی سے غافلا انسان کو انسانیت کی خبر نہیں، انسانی زندگی ماحول سے بہت الجھ کر رہ گئی، اگر کھانے، پینے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے اور ملنے جلنے سے قبل تھوڑا سا بھی غور و فکر کیا جائے تو ایک مثالی اخلاق کی بنیادیں مرتب ہونا شروع ہو جائیں گی۔

اخلاق ہی وہ چیز ہے جو آج ہماری سب سے اہم ضرورت ہے اور ہم اس کے کوسوں دور ہیں۔ قرآن، حدیث اور آئمۂ اطہار نے اپنی تعلیمات میں جس چیز کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ اخلاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں علماء، فقہا، نے اخلاق کی طرف متوجہ رہنے کی تلقین کی ہے۔

استاد مرتضیٰ شہید مطہری رحمۃ اللہ علیہ "فلسفہ اخلاق" آپ کے ہاتھ میں ہے، استاد شہید مطہریؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تقریباً تمام موضوعات پر ہماری رہنمائی کے لئے مواد فراہم کیا ہے، بہت سی کتب و مقالات شائع کئے جا چکے ہیں اور کچھ تکمیل کے مراحل میں ہیں اور بہت کتب کی تلاش ہے، آپ سے التماس ہے کہ اگر آپ کے پاس استاد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی کتاب ہو اور وہ مارکیٹ میں دستیاب نہیں تو وہ ہمیں ارسال کریں تا کہ اس کو شائع کیا جا سکے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

باسمہ سبحانہ

اخلاق کیا ہے؟

کسی فعل کے اخلاقی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اور کسی انسان کا وہ کیسا اور کون سا کام ہے جسے ''اخلاقی'' کہا جاتا ہے۔ اگر چہ بظاہر اس سوال کا جواب بہت آسان معلوم ہوتا ہے مگر جب اس کے مفہوم کی گہرائی میں جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ صرف یہی نہیں کہ اس سوال کا جواب آسان نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق مشکل ترین اور پیچیدہ ترین فلسفی مسائل سے ہے اور ہزاروں سال سے اب تک دنیا کے فلاسفہ اس مسئلہ پر توافقِ نظر اور اتحادِ رائے پیدا نہ کر سکے۔ ہم بجائے اس کے کہ پہلے یہ بیان کریں کہ اخلاقی مکاتب میں ''اخلاقی'' ہونے کا معیار کیا ہے مثلاً یہ بیان کریں کہ افلاطون نے کیا کہا ہے ارسطو نے کیا کہا ہے، اپیکور نے کیا کہا ہے غزالی نے کیا کہا ہے یا دورِ جدید کے فلاسفہ کیا کہتے ہیں، پہلے ہم بہت ہی سادہ اور روشن واقعات ذکر کریں گے اس کے بعد اخلاق کی تفسیر اور وضاحت کریں گے اس لئے کہ اخلاقی فعل کے موارد سے پہلے اس کی تفسیر بیان کرنا درست نہیں ہے۔

اخلاقی کاموں اور دوسرے کاموں میں کیا فرق ہے؟

فطری اور عام انسانی افعال کے مقابلے میں انسان کے کچھ افعال ''اخلاقی'' کہے جاتے ہیں ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ اخلاقی کام قابل مدح و ستائش ہوتے ہیں اور انسان اس کی قدر و قیمت کا قائل ہوتا ہے ایسی قدر و قیمت نہیں جو کسی مزدور کے کام کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہوتی ہے اس لئے کہ ایک مزدور کے کام کی قدرو قیمت مادی ہوتی ہے اور وہ اپنے کام کے عوض میں پیسہ یا کوئی دوسری چیز حاصل کرنے کا حقدار ہوجاتا ہے۔ اخلاقی کام کی قدر قیمت کی نوعیت اس سے بلند ہے کہ اس کے مقابلے میں پیسہ یا کوئی مادی چیز پیش کی جائے۔

ایک فوجی دوسروں کے لئے اپنی جان قربان کردیتا ہے اس کا یہ کام ایک گرانبہا کام ہے لیکن اس کی قیمت کی نوعیت مادی نہیں ہے۔ مثلاً ہم کہیں کہ فلاں مزدور کے کام کی قیمت ۲۵ روپے ہے یا فلاں معمار کا کام ۸۰ روپے کا ہے اور فلاں انجینئر کا کام سو روپے کے لائق ہے اسی طرح ایک کام کی قیمت پانچ سو اور ہزار روپے بھی ہوسکتی ہے مگر اخلاقی کام اس قدر قیمتی اور گرانبہا ہوتا ہے جس کی قیمت کسی انسان کے ذہن میں نہیں سما سکتی۔ چونکہ قیمت کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے اس لئے ہم جس قدر بھی بلند قیمت تصور کریں پھر بھی اخلاقی قیمت وارزش کو مادی مقیاس اور ترازو میں نہیں تول سکتے۔ جب قیمتوں کا فرق ثابت ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان قیمتوں کی توجیہ کیا ہوگی؟ اور ہم کس معیار و مقیاس کے ذریعہ انسان کے اخلاقی کاموں کی قیمتوں کو معین کرسکتے ہیں؟ کیا تمام مکاتب ایسے کاموں کی توجیہ اور تعین کی قدرت رکھتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ نہیں رکھتے۔ بعض مکاتب تو صراحۃً انکار ہی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اخلاقی کام انجام دینا ہی درست نہیں ہے یہ تو بڑی سادہ دلی اور سادہ لوحی کی بات ہے۔ عاقل انسان ہرگز اخلاقی کام کے پیچھے نہیں جاتا بلکہ وہ خوشی اور لذتوں کے پیچھے جاتا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ دنیا میں فائدے اور لذت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ خیر یہ تو یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے مکتب کا نتیجہ یہ ہے ورنہ بعض مکاتب تو ایسے بھی ہیں کہ جن کی فکر اور جہاں بینی اور فلسفے سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ دنیا میں منفعت اور لذت کے علاوہ کچھ نہیں ہے لیکن وہ اس کا اعتراف نہیں کرتے بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم اخلاقی اقدار کے پابند ہیں اور انسانیت کی اہمیت وارزش کے قائل ہیں۔ ہم آئندہ بحث میں اس کی طرف اشارہ کریں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بعض کاموں کے اخلاقی ہونے کا نمونہ

عفو ودرگزر:

خطا اور گناہ، جس کا ایک انسان مرتکب ہوتا ہے دو طرح کے ہوتے ہیں۔

الف: ایک گناہ تو وہ ہوتا ہے جو کسی ایک شخص سے مربوط ہوتا ہے مثلاً غیبت یا تہمت۔ غیبت کرنے والا شخص اگر چہ ایک دوسرے شخص کی غیبت کرتا ہے یا اس پر تہمت لگا تا ہے مگر اس کا یہ گناہ سماج سے مربوط نہیں ہے اور کسی قسم کا حق معاشرہ میں پیدا نہیں کرتا۔

ب: بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں کہ کچھ حصہ اس کا کسی خاص شخص سے مربوط ہوتا ہے اور کچھ حصہ اس کا سماج اور معاشرے سے یعنی اس کا ایک پہلو انفرادی ہوتا ہے اور ایک اجتماعی۔ مثلاً ایک قاتل نے کسی انسان کو قتل کر دیا تو اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو معاشرے سے مربوط ہے اور دوسرا پہلو اس مقتول سے، ایسی صورت میں اگر مقتول کے حق کو قاتل کے لئے معاف کر دیا جائے یعنی اگر قاتل مقتول کے والدین یا اس کے فرزند سے عفو ودرگزر کی درخواست کرے اور وہ اسے معاف کر دیں تو یہ ایک اخلاقی اور بہادرانہ عمل کہا جائے گا جو عادی اور عام کام سے بلند عمل ہے۔ پیغمبر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

یا علی ثلاث خصال من مکارم الاخلاق تعطی من حرمك و تصل من قطعك و تعفو عمن ظلمك۔

ترجمہ: اے علی علیہ السلام خصلتیں مکارم اخلاق میں سے ہیں۔ اسے عطا کرو جس نے تم کو محروم رکھا اس سے صلہ رحم کرو جس نے تم سے قطع رحم کیا اور اسے معاف کردو جس نے تم پر ظلم کیا۔ [۱]

۲۔حق شناسی اور وفاداری

انسان کسی شخص کے ساتھ نیکی اور احسان کرتا ہے تو اس کا ردِعمل دو طرح کا ہوسکتا ہے۔بعض افراد تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا کام ہوگیا اور اب احسان کرنے والے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی لہٰذا اپنے محسن کی کوئی پروا نہیں کرتے اور اسے بالکل بھول جاتے ہیں اور بعض افراد ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کے ساتھ نیکی اور احسان کیا جاتا ہے تو وہ اسے آخر عمر تک یاد رکھتے ہیں اور ہرگز فراموش نہیں کرتے برسوں گذر جانے کے بعد بھی اگر اس احسان کرنے والے کو ضرورت اور حاجت پیش آتی ہے تو اسے وہ اسی احسان کے بدلے پورا کرتے ہیں۔ یہ ایک فکری و اخلاقی اصول اور قانون ہے۔قرآن مجید نے بھی سورۂ رحمٰن میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ﴿۶۰﴾ [۲]

کیا نیکی کا بدلہ نیکی کے علاوہ اور کچھ ہے؟

حیوانات پر ترحم

حیوانات پر رحم کرنا حتیٰ کہ ان جانوروں پر جو نجس اور پلید ہیں ایک اخلاقی کام

---

[۱] خصال صدوق صفحہ ۱۲۵ حدیث ۱۲۱

[۲] سورۂ الرحمٰن: ۶۰

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے اس لئے کہ اس کا نجس ہونا اس پر ترحم کرنے کے منافی نہیں ہے مثلاً ایک کتا جو اپنے جراثیم اور آلودگی کی وجہ سے جو اس کے بدن اور لعاب میں پائی جاتی ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ نجس ہے مگر اس کا نجس ہونا اس کے قابل رحم نہ ہونے کے منافی نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص ایک بیابان سے گزر رہا تھا اس نے ایک کتے کو دیکھا جو پیاس کی شدت کی وجہ سے اپنی زبان ایک نم زمین پر رگڑ رہا تھا وہاں ایک کنواں تھا اس آدمی نے اپنے جوتے کو اپنی پگڑی سے باندھا اور کنویں سے پانی نکال کر اپنے ہاتھوں سے اس کتے کو پلایا اور اسے سیراب کیا اس زمانے کے پیغمبر کو وحی ہوئی کہ خدا نے اس آدمی کے اس کام کا شکر ادا کیا یعنی خدا نے اس کام کی قدر فرمائی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس آدمی نے اپنی ٹوپی کو ڈول بنایا تھا مگر حدیث کہتی ہے کہ اس نے اپنے جوتے کو ڈول بنا کر پانی نکالا تھا۔

شیخ سعدی کہتے ہیں:۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

یکے در بیاباں سگِ تشنہ یافت	ایک شخص نے بیابان میں ایک پیاسے کتے کو دیکھا
برون از رمق در حیاتش نیافت	ظاہر میں جس کی رمقِ حیات بھی باقی نہ تھی۔
"کلہ" دلو کرد آن پسندیدہ کیش	اس نیک خصلت انسان نے اپنی ٹوپی کو ڈول بنایا
چوں حبل اندر آن بست دستار خویش	اور اپنی پگڑی کو اس میں رسی کی طرح باندھا
بخدمت میاں بست و باز و گشاد	ان نے خدمت پر کمر باندھی اور ہاتھ بڑھائے اور
سگِ ناتواں را دمے آب داد	اس ناتواں کتے کو پانی پلایا
خبرداد پیغمبر از حالِ مرد	اس وقت کے پیغمبر نے اس شخص کے حال کی خبر دی کہ
کہ داور گناہانِ او عفو کرد	خداوندِ عالم نے اس کے تمام گناہوں کو بخش دیا
الا گر جفا کاری اندیشہ کن	خبردار اگر ظالم اور ستمگر ہو تو غور وفکر کرو
وفا پیش گیرد کرم پیشہ کن	صفا اور وفا کی عادت ڈالو اور کرم ونوازش اختیار کرو
کہ حق با سگِ نیکوئی گم نکرد	کیونکہ خداوند عالم نے ایک کتے کے ساتھ نیکی کرنے
کجا گم شود خیر با نیک مرد	کو ضائع نہیں کیا تو کسی نیک انسان کے ساتھ بھلائی کرنا کہاں ضائع ہوگا
کرم کن چناں کت برآید ز دست	نیکی کرو اور اسے نہ جتاؤ جیسے لباس بدن سے جدا ہوتا ہے
جہانیاں در خیر بر کس نہ بست	خدا نے خیر اور نیکی کا دروازہ کسی پر بند نہیں کیا
گرت در بیاباں نہ باشد چہی	اگر بے آب وگیاہ صحرا میں سیرابی کے لئے کنواں نہ ہو
چراغے بنہ در زیارت گہے	لوگوں کی رہنمائی کے لئے نور اور علم کے چراغ روشن کرو

ایک عارف جن کا نام "سری سقطی" ہے کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اللہ کا شکر ادا کیا تھا جس کے بدلے تیس سال سے استغفار کر رہا ہوں لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں بغداد کے بازار میں دکاندار تھا لوگوں نے خبر دی کہ بازار میں آگ لگ گئی ہے میری دکان بھی اسی بازار میں تھی میں فوراً دیکھنے کے لئے گیا کہ میری دکان تو نہیں جلی ہے تو کسی نے مجھے بتایا کہ تمہاری دکان کی طرف آگ نہیں لگی ہے بلکہ دوسری طرف لگی ہے تو یہ سن کر میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نے کہا ''الحمدللہ'' پھر میں نے اپنے نفس سے کہا کہ تو ہی تو صرف دنیا میں نہیں ہے آخر چند دکانیں تو جلی ہیں اگر تیری دکان نہیں جلی ہے تو دوسری دکانیں تو ضرور جلی ہیں پھر ''الحمدللہ'' کا یہ مطلب ہے کہ میری دکان تو نہیں جلی ہے دوسری دکانیں جلی ہیں پس میں اسی بات پر راضی اور خوش ہوں کہ میری دکان نہیں جلی اور دوسروں کی دکانیں جل گئیں ''سری'' تمہارے دل میں مسلمانوں کا درد نہیں ہے کہ جس کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

من اصبح لا یهتم بامور المسلمین فلیس بمسلم

یعنی جو شخص صبح کرے اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے کمر ہمت نہ باندھے وہ مسلمان نہیں ہے۔

یہ بھی وہی مسئلہ ترحم ہے ''صحیفہ سجادیہ'' میں ایک دعا ہے ''دعائے مکارم اخلاق'' کے نام سے ''صحیفہ سجادیہ'' ایسی دعاؤں کا سلسلہ ہے جو سند کے اعتبار سے بھی اور مضمون کے لحاظ سے بھی نہایت معتبر اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی یادگار ہے۔ علما شیعہ اس وقت سے اب تک اس کی طرف متوجہ اور ملتفت رہے ہیں۔ یہ تنہا وہ کتاب ہے جو قرآن کے بعد پہلی صدی ہجری کے آواخر اور دوسری ہجری کے اوائل سے ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ''نہج البلاغہ'' بھی کتاب ہے مگر نہج البلاغہ امیر المومنین علیہ السلام کے خطبوں کا مجموعہ ہے جو لوگوں کے درمیان متفرق تھے اور سید رضی رحمۃ اللہ علیہ نے چوتھی صدی ہجری میں انہیں جمع کر کے کتابی صورت میں پیش کیا مصحف فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ''کتاب علی'' علیہ السلام کے نام سے ایک کتابی سلسلہ اور بھی تھا جو اب ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہے آئمہ علیہم السلام نے کبھی کبھی ان کتابوں کا نام لیا ہے۔ قرآن کے بعد سب سے قدیم ترین شیعی کتاب جو پہلی بار کتابی صورت میں تحریر کی گئی اور آج بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہ صرف ''صحیفہ سجادیہ'' ہے جو امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند حضرت زید کے پاس اس وقت موجود تھی جب وہ امویوں سے لڑ کر شہید ہوئے۔ اسی جنگ میں حضرت زید شہید نے یہ کتاب ایک

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

شخص کے سپرد فرمائی (صحیفہ کے ابتدا میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے)

صحیفہ سجادیہ کی دعاؤں میں ایک دعا ''دعائے مکارم الاخلاق'' ہے یعنی اچھے اور پاکیزہ اخلاق کی دعا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اہل سنت کی روایت کے مطابق فرمایا ہے

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

یعنی میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ لوگوں کے اچھے اور پاکیزہ اخلاق کی تکمیل کروں۔ یا شیعوں کی روایت کے مطابق حضرت نے فرمایا

علیکم بمکارم الاخلاق فان ربی بعثنی بھا

یعنی مکارم اخلاق کا اختیار کرنا تم پر واجب ہے اس لئے میرے خدا نے مجھے مکارم اخلاق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہوسکتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے دو مرتبہ دونوں تعبیریں اور دونوں حدیثیں صادر ہوئی ہوں بہرحال دونوں کا مضمون ایک ہی ہے۔

دعائے مکارم الاخلاق کی وجہ تسمیہ شاید یہ ہو کہ اس دعا میں ایک جملہ یہ ہے **وھب لی معال الا خلاق**، یعنی پروردگار مجھے بلندی اخلاق عطا فرما۔ اسلام کے اخلاقی مکتب کا تعارف کرنے کے بہترین نمونوں میں سے ایک امام زین العابدین علیہ السلام کی دعا ''دعائے مکارم الاخلاق'' ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ برسوں سے جو تمنائیں رکھتا ہوں ان میں ایک آرزو یہ ہے کہ توفیق حاصل ہو تو اس کا مکمل فارسی ترجمہ کے ساتھ شرح کروں اور جو فلسفے اور نکات اس دعائے شریف میں ہیں ان کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کر کے اپنے فارسی داں حضرات کے حوالے کروں، یہاں نمونے کے طور پر اس دعا کی چند بلندیوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو کیسا ہونا چاہئے حضرت فرماتے ہیں۔

اللھم صل علی محمد وآل محمد و سددنی لان اعارض

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

من غشنی بالنصح

پروردگار! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیج اور مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس کی نصیحت کے ساتھ معارضہ کروں جو بظاہر مجھ سے دوستی کرتا ہے مگر درواقع وہ میرے ساتھ برائی اور فریب کرنا چاہتا ہے۔

اجزی من ھجرلی بالبر

خدایا مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس کو جزا دوں جس نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میرے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کے سراغ میں نہیں نکلتا۔

واثیب من حرمنی بالبذل

خدایا مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اس پر بخشش کروں جس نے مجھے محروم کیا ہے۔

واکافی من قطعنی بالصلة

خدایا مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ہر اس شخص کے ساتھ رابطہ قائم کروں جس نے میرے ساتھ قطع رحم یا ترک محبت کیا ہے۔

واخالف من اغتابنی الی حسن الذکر

خدایا مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ہر اس شخص کے برخلاف جو میری غیبت اور پیٹھ پیچھے میری بدگوئی کرتا ہے میں ہمیشہ اس کی نیکی بیان کروں۔

وان اشکر الحسنة واغضی عن السیئة

خدایا مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ہمیشہ لوگوں کی اچھائی کا شکرگزار رہوں اور ان کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا رہوں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

آیا مذکورہ بالا امور اعلیٰ درجہ کی ستائش و تعریف کے قابل ہیں یا نہیں؟

کیا یہ چیزیں قدر و اہمیت رکھتی ہیں یا نہیں؟ یہ چیزیں گرانبہا ہیں یا نہیں؟

ان کی قدر و قیمت کیا ہو سکتی ہے؟ ایسا انسان ہماری نظر میں مثالی ہے یا نہیں؟

یہ کیسی اور کونسی بہادری ہے اور یہ قہرمان و بہادر کہاں ہے؟ ان امور، افکار، نیتوں، خواہشوں اور ارادوں کے اخلاقی ہونے کا راز کہاں؟

خواجہ عبداللہ انصاری ایک مرد آزاد و عارف بزرگ تھے ان کا کہنا ہے کہ برائی کے بدلے برائی کرنا سنگساری ہے اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ برائی کرے اور وہ بھی اس کے ساتھ برائی کرے تو یہ سگ رفتاری ہے کیونکہ ایک کتا جب کسی کتے پر بھونکتا ہے تو وہ بھی اس پر بھونکتا ہے۔ نیکی کے بدلے نیکی خرکاری ہے۔ اگر کوئی انسان کسی کے ساتھ نیکی کرے اور وہ بھی اس کے ساتھ نیکی کرے تو یہ کوئی اہم بات نہیں اس لئے کہ ایک گدھا جب کسی دوسرے گدھے کا شانہ کھجلاتا ہے وہ بھی فوراً اس کا شانہ کھجلانے لگتا ہے۔ برائی کے بدلے نیکی کرنا یہ خواجہ عبداللہ انصاری کا کام ہے۔

یہ اشعار حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی طرف منسوب دیوان میں ہیں حضرت فرماتے ہیں:

وذی سفهة یواجهنی بجهلٍ	واکره ان اکون له مجیباً
یزید سفاهة وازید حلماً	کعودٍ زاده الاحراق طیباً

یعنی وہ انسان جو سفیہ اور جاہل ہے اور اس کی فکر کوتاہ ہے وہ فکری رشد اور تکامل نہیں رکھتا وہ اپنی جہالت و نادانی سے مجھ سے روبرو ہوتا ہے میری بدگوئی کرتا ہے مگر میں اس کا جواب دینا پسند نہیں کرتا وہ تو مجھ پر اپنی سفاهت و جہالت اور بدگوئی زیادہ کرتا جاتا ہے اور میں اس عود کی طرح پا نا صبر و حلم بڑھاتا جاتا ہوں جسے آگ جتنا زیادہ جلاتی جاتی ہے اس کی خوشبو زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام مافوق الفطرۃ صبر و شکیبائی اور حلم کے مالک تھے جو خود اخلاق

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

قدروں میں شمار ہوتا ہے، دوسرے شعر میں فرماتے ہیں

ولقد امر علی اللیهم یسبنی	فمضیت ثمة قلت ما یعیننی

جب میں کسی ذلیل اور بست انسان کے سامنے سے گزرتا ہوں اور وہ مجھے گالی دیتا ہے تو میں یہ کہہ کر گزر جاتا ہوں کہ اس کا مقصد میں نہیں ہوں۔

حضرت مالک اشتر بازار کوفہ سے گزر رہے تھے آپ بڑے لحیم شحیم اور قوی ھیکل انسان تھے۔ ایک بازاری شخص بیٹھا ہوا تھا جو آپ کو نہیں پہچانتا تھا کہ آپ کون ہیں اس نے آپ کی طرف کوئی چیز پھینکی مالک اشتر نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور آگے بڑھ گئے۔ جب آپ چلے گئے تو ایک شخص نے اس بازاری آدمی سے کہا کہ جن کی تو نے اہانت کی ہے پہچانتا ہے کہ وہ کون ہیں؟ بازاری آدمی نے کہا کہ نہیں مجھے نہیں معلوم! اس شخص نے کہا وہ مالک اشتر تھے علی بن ابی طالب علیہ السلام کے لشکر کے سردار اور امیر!۔ یہ سنتے ہی بازاری لرز گیا اور اپنے دل میں کہا کہ قبل اس کے وہ میرے لئے کوئی فیصلہ کریں مجھے ان سے معذرت کر لینی چاہیے چنانچہ وہ مالک اشتر کے پیچھے روانہ ہوا۔ اس نے دیکھا کہ مالک اشتر نے مسجد میں پہنچتے ہی نماز شروع کر دی۔

وہ منتظر رہا اور جب مالک اشتر کی نماز تمام ہوئی تو آگے بڑھ کر معذرت کی کہ میں وہی بے ادب شخص ہوں جس نے آپ کے ساتھ جسارت کی ہے میں آپ کو پہچانتا نہیں تھا۔ مالک اشتر نے فرمایا بخدا مجھے اس وقت مسجد میں نہیں آنا تھا مگر اس وقت مسجد میں صرف اس لئے آیا ہوں کہ دو رکعت نماز پڑھ کر خدا سے دعا کروں کہ وہ تیرا گناہ بخش دے اور تیری ہدایت فرمائے یہ کس قدر بلند اور اعلیٰ اخلاقی قدر ہے!

ہم آئمہ اطہار علیہم السلام کے بارے میں اس طرح کے بہت سے واقعات و حکایات رکھتے ہیں۔ ان واقعات میں ایک واقعہ ایسا ہے جو امام حسن علیہ السلام کے لئے بھی بیان کیا جاتا ہے اور امام حسین علیہ السلام کے لئے بھی، مگر یہاں جو روایت میں بیان کر رہا ہوں اور امام حسین علیہ السلام کے متعلق ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

شام کا رہنے والا ایک شخص جس کا نام اسام بن المصطلق تھا مسجد مدینہ میں آیا اور ایک باہیبت و پرجلال بزرگ کو دیکھا یہ جو میں نے کہا" باہیبت و پرجلال" یونہی نہیں کہا بلکہ تاریخ ایسا کہہ رہی ہے کہ جب کوئی شخص شام سے مدینہ جانا چاہتا اور معاویہ چاہتے کہ اسے حسین ابن علی علیہ السلام سے ملاقات اور گفتگو کے متعلق کہے چنانچہ امیر شام کہتے! بلکہ اگر تم مسجد نبوی میں گئے اور دیکھا کہ ایک شخص نہایت جلالت و ہیبت سے اس طرح بیٹھا ہوا ہے کہ اس کے گرد کچھ لوگ حلقہ باندھے بیٹھے ہوئے ہیں جب تم یہ منظر دیکھنا تو سمجھ لینا کہ وہ حسین بن علی علیہ السلام ہیں۔ بہرحال یہ شخص جو شام سے آیا تھا ایک بزرگ کو یونہی بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس نے سوال کیا کہ یہ شخص کون ہے؟ یہ تو کوئی اہم شخصیت معلوم ہوتی ہے؟ لوگوں نے کہا حسین بن علی علیہ السلام ہیں۔ اس نے تعجب سے پوچھا یہ علی علیہ السلام کے بیٹے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں جی ہاں یہ انہیں علی علیہ السلام کے بیٹے تھے جن کے خلاف معاویہ تیس سال سے جھوٹے پروپیگنڈے کر رہا تھا اور جن کو اسلام کے ایک بہت سخت دشمن کی حیثیت سے مشہور کر دیا تھا، یہاں تک کہ اہل شام علی علیہ السلام کو ایسا انسان سمجھنے لگے تھے کہ جس نے اسلام کی بو تک بھی نہیں سونگھی ہے ایک مرتبہ ایک شامی اور ایک کوفی ایک قہوہ خانے میں بیٹھے ہوئے نماز کے بارے میں بحث کر رہے تھے کوفی اپنا نظریہ صحیح ثابت کرنا چاہتا تھا اس نے ثبوت کے لئے کہا" میں نے علی علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اسی طرح نماز پڑھ رہے تھے یہ سن کر شامی بولا کیا علی علیہ السلام بھی نماز پڑھتے تھے؟ شامیوں کو اس حد تک غافل و گمراہ کر دیا گیا تھا کہ مسجد نبوی میں آنے والے اس شامی نے جب سنا کہ یہ علی کے فرزند حسین علیہ السلام تو کہا کہ چل کر قربةً الی اللہ ان کو دو چار گالیاں دوں گا۔ چنانچہ وہ حضرت کے پاس آ کر بڑی بے ادبی سے کھڑا ہوا اور امیر المومنین علیہ السلام اور حضرت اما حسین علیہ السلام کو جہاں تک ہوسکا برا بھلا کہا۔ کہا تم لوگ منافق ہو اور اس طرح بہت سی ناروا باتیں کہیں۔ حضرت نے اس کے چہرے پر نگاہ کی، دیکھا کہ یہ شخص گمراہ کیا گیا ہے جب اس کی باتیں ختم ہوئیں تو حضرت نے اس سے صرف اتنا پوچھا اَمِنْ اَھْلِ الشّاٰمِ اَنْتَ؟ کیا تو اہل شام سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے؟اس نے کہا ہاں!

پھر حضرت نے فرمایا میں جانتا ہوں شامی لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔اس کے بعد حضرت نے فرمایا تو ہمارے شہر میں مسافر ہے ہمارا مہمان ہے ہمارے گھر چل تاکہ میں تیری پذیرائی کروں اگر تیرے پاس آذوقہ کم ہو تو میں تجھے آذوقہ دوں۔حضرت کی یہ گفتگو سن کر شامی کہتا ہے کہ میری حالت قابو سے باہر ہوگئی میں چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں سما جاؤں۔

وحلنی بحلیة الصالحین والبسنی زینة المتقین

خدایا مجھے صالحین کے زیور سے آراستہ فرما اور مجھے پرہیزگاروں کا لباس زیبِ تن فرما صالحین کا زیور اور پرہیزگاروں کا جامۂ زیبا کیا ہے؟ حضرت بعد کے جملوں میں اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔

فی بسط العدل و کظم الغیظ و اطفاء النائرہ و ضم اهل الفرقة واصلاح ذات البین و افشاء العارفة و ستر العائبة ولین العریکة وخفض لاجناح وحسن

صالحین کی زینت اور متقین کی جامہ زیبائی یہ چیزیں ہیں۔عدل و انصاف کو پھیلانا،غیظ وغضب کو روکنا اور غصے پر قابو پانا اور غلبہ حاصل کرنا۔غیظ وغضب ایک عقدہ و مشکل ہے جو انسان میں پیدا ہوتی ہے جس کا حل ہونا ضروری ہے جیسے سرطانی غدود کی جب بجلی سے سینکائی کی جاتی ہے وہ تحلیل ہو کر پانی ہو جاتا ہے۔جہاں ایک آگ شعلہ ور ہوتی ہے اور دو مومن ے درمیان جنگ وجدل اور نزاع واختلاف شعلہ ور ہوتا ہے وہاں صالحوں کی حیثیت آگ بجھانے والے فائر بریگیڈ کی ہوتی ہے۔لوگوں کے درمیان اصلاح اور امن برقرار رکھنا لوگوں کی خوبیوں کو ظاہر کرنا اور ان کی برائیوں پر پردہ ڈالنا یہ سب چیزیں اخلاقی مسائل ہیں اور سماجی مسائل میں شامل نہیں ہیں کہ جہاں عوامی اور عمومی حق پیدا ہو جاتا ہے وہاں قوانین و اصول اور دستور ہیں جو اسی دعائے مکارم اخلاق میں بھی پائے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جاتے ہیں۔

اسلامی فریضہ یہ ہے کہ لوگوں کی زیادہ سے زیادہ نیک نامی کے لئے ایک دوسرے کے متعلق مسلمانوں کے حسنِ ظن کو بڑھاوا دینے کے لئے لوگوں میں جو اچھائیاں انسان دیکھے تو انہیں مختلف مواقع اور مختلف مقامات پر بیان کرتا رہے، لوگوں کی برائیوں کی پردہ پوشی کرتا رہے کسی کے عیب کو آشکار نہ کرے کیونکہ یہ چیز خود اسی انسان کے اندر برائیوں کے کم کرنے کا باعث ہوتی ہے برخلاف اس کے جن لوگوں کی زندگیوں میں اچھائیاں اور برائیاں دونوں پائی جاتی ہیں تو اگر صرف ان کی برائیوں پر ہی نظر رکھی جائے اور انہیں شہرت دی جائے تو پھر ان کی نیکیاں مجروح و معدوم ہو جاتی ہیں اور ان کی شخصیت برے انسانوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے مسلمانوں کی برائیوں کو پھیلانے اور انہیں شہرت دینے کی غیر معمولی شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ [1]

ان لوگوں کے لئے جو یہ چاہتے ہیں کہ مومنین میں برائیوں کی خبر پھیلے تو ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

یہ حکم ان برائیوں اور گناہوں کے لئے ہے جو کسی مسلمان سے صادر ہوئے ہوں اور اگر ان برائیوں کی جھوٹی نسبت دی گئی ہو تو حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مومن بھائی پر تہمت لگائے تو اس کا ایمان اس کی روح سے اس طرح پگھل جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔

غیبت کرنا کیوں حرام ہے؟ اس لئے کہ غیبت سے بدبینی اور بدظنی پیدا ہوتی ہے۔ ''غیبت'' یعنی اگر کسی انسان میں حقیقتاً کوئی برائی موجود ہو تو اس کا پیٹھ پیچھے بیان کرنا،

---

[1] سورۂ نور:۱۹

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس کے لئے چند مقامات مستثنیٰ ہیں اور وہ سب مقامات سماجی اور اجتماعی پہلو رکھتے ہیں مثلاً کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی شراکتی کام کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے بارے میں کسی سے مشورہ کرے کہ وہ کیسا آدمی ہے؟ میں اس کے ساتھ کمپنی کھولنا چاہتا ہوں یا کوئی شخص کسی کو لڑکی دینا چاہتا ہے یا لڑکی لینا چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ تو یہاں چونکہ وہ مشورہ چاہتا ہے اس لئے حقیقت بیان کرنا جائز بلکہ لازم ہے۔اسی طرح سے اگر کوئی مظلوم اور اس کا حق پامال کر دیا گیا ہو تو یہاں دوصورتیں ہیں یا تو وہ اپنا منہ بند رکھے اور کسی سے نہ کہے کہ میرا حق پامال کر دیا گیا ہے اور اگر بیان کرتا ہے تو غیبت ہوتی ہے یہاں اس مظلوم کو اپنے حق کا اظہار کرنا جائز ہے قرآن میں بھی ارشاد ہوتا ہے

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ [1]

یعنی خدا اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو اعلانیہ برا کہے مگر وہ جو مظلوم ہو۔

انسان کو ہمیشہ افراط وتفریط سے دور رہنا چاہئے۔مسلمانوں کے معاشرے کا عیب جسے تاریخ بتاتی ہے یہی ہے کہ یا تو ہم بالکل اِس کنارے کو اختیار کرتے یا اُس کنارے کو درمیانی حد کو اختیار نہیں کرتے بعض لوگ تو ایسے ہیں جو ہمیشہ غیبت ہی کرتے رہتے ہیں اور بعض لوگ اس حد احتیاط کو پہنچ گئے کہ حجاج کی بھی غیبت کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ حجاج وہ سفاک اور خونریز انسان ہے جو دنیائے اسلام میں اپنی مثال اور نمونہ ہے۔ابن سیرین جو ایران کے مسلمان علماء میں سے تھے ان کے پاس ایک شخص آتا ہے اور حجاج کی برائی بیان کرتا ہے مقدس ابن سیرین فرماتے ہیں غیبت نہ کرو اس وقت تمہارا غیبت کرنا حجاج کے گناہ سے بڑا گناہ ہے۔میں حجاج کی غیبت سننے کو تیار نہیں ہوں۔تعجب تو یہ ہے کہ امام غزالی ایسی بزرگ و باعظمت شخصیت نے اس داستان کو نقل کر دیا اور اس کی تائید بھی کر دی جب کہ امام غزالی ایک غیر معمولی مفکر تھے ہم کو ان کی بزرگی کا اعتراف ہے مگر اس جگہ

---

[1] سورۂ النساء:۱۴۸

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

انہوں نے غلطی کی ہے۔ بڑے لوگ بڑی غلطیاں بھی کر جاتے ہیں۔ بقول علامہ ابن جوزی امام غزالی کی ایک بڑی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے بہت سے مقامات پر شریعت کا سودا تصوف سے کر دیا ہے اور ان کی اسی صوفیانہ افراط گری کا سبب یہ ہے کہ وہ کبھی کبھی فقہ اسلامی سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اسی بنا پر فرماتے ہیں کہ ابن سیرین نے صحیح کہا اس شخص کو حجاج کی غیبت کرنے کا حق نہیں تھا اس لئے کہ حجاج مسلمان تھا۔

اگر حجاج کی غیبت کرنا جائز نہیں ہے تو پھر کس کی غیبت جائز ہے؟ پھر تو یقیناً یہ لوگ یزید کی بھی غیبت کرنا جائز نہیں سمجھتے ہوں گے۔ ہم جو دن رات برسرِ منبر یزید کے مظالم کا ذکر کرتے ہیں تو ہم ہمیشہ غیبت کرتے ہیں! پھر خداوند تعالیٰ نے خود بھی فرعون، نمرود، قارون، بلعم باعورا اور ابنی اسرائیل جیسی بہت سی قوموں اور بہت سے لوگوں کی غیبت کی ہے؟ نہیں! یہ غیبت نہیں ہے۔ نہ اس کا کنارے نہ اُس کنارے بلکہ ہمیں درمیانی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔

دعائے مکارم الاخلاق کے ان جملوں کو میں نے اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ یہ بتا سکوں کہ جب انسان کی آرزوئیں اس حد تک پہنچ جائیں تو وہ قابل تقدیس واحترام ہے۔ اس کا عمل ایسا عمل ہو تو عملِ احترام ہے! جس کے صفات وملکات ایسے ہوں وہ قابلِ تقدیس وتعظیم ہے۔ یہ دلیرانہ ملکات ہیں ایسے باارزش وگرانبہا ملکات کی جڑیں کہاں ہے؟ یہی وہ منزل ہے جہاں مختلف مکاتبِ فکر نے مختلف نظریات کا اظہار کیا ہے۔ غیر اسلام مکاتب خصوصاً فلسفی مکاتب میں سے ہر ایک نے اخلاق کی ایک جداگانہ طرز پر تفسیر بیان کی ہے جن میں سے بعض کی طرف ہم یہاں اشارہ کریں گے۔

اخلاق کے عاطفی ہونے کا نظریہ

کاموں کے اخلاقی ہونے کے معیار کے بارے میں ایک قدیم نظریہ عاطفی نظریہ ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ اخلاقی افعال کا راز انسان کی مہر ومحبت اور عواطف میں پوشیدہ ہے ان کا کہنا ہے کہ عادی اور معمولی کام انسان کے خود خواہانہ جذبات اور طبیعی میلانات سے صادر ہوتا ہے اس کام کا مقصد انسان کا خود اپنی منفعت اور لذت حاصل کرنا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہوتا ہے جو کام اس طرح کا ہوگا وہ اخلاقی نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک مزدور اگر صبح سویرے کام کے لئے جاتا ہے کہ وہ مزدوری حاصل کرلے اور اس سے اپنی زندگی کی ضروریات کو پورا کرے یہ ایک عادی اور معمولی کام ہے۔ یا ایک کارمند کسی دفتر یا کسی کمپنی میں کام کرتا ہے یا کوئی تاجر تجارت کے لئے نکلتا ہے تو چونکہ یہ کام خود اس شخص کی ذات اور اس کی زندگی سے مربوط ہے یا وہ اپنے کسی میلان سے کام کرتا ہے اور اس کا ہدف ومقصد خود اپنی ذات کے لئے کسبِ منفعت یا دفع مضرت ہے مثلاً وہ کسی ڈاکٹر کے پاس اپنے علاج کی غرض سے جاتا ہے یہ سارے کام عادت اور معمول کے مطابق سرزد ہونے والے افعال ہیں۔

اخلاقی افعال وہ کام ہیں جن کا سرچشمہ انفرادی میلانات سے بلندتر ایک عاطفہ و محبت ہوتا ہے اس طرح کے لوگ خود تنہا اپنی ذات کو ہی دوست نہیں رکھتے بلکہ اپنی ہی طرح دوسروں کی سرنوشت سے بھی علاقہ رکھتے ہیں اور جب دوسروں کو منفعت یا لذت حاصل ہوتی ہے تو یہ لوگ اسی طرح خوش ہوتے ہیں جس طرح خود ان کو کوئی منفعت یا لذت حاصل ہوتی ہے تو خوش ہوتے ہیں۔

البتہ اس کے مختلف درجات ہیں کبھی یہ عاطفہ ودوستی کے علاوہ بعض انسانوں میں اس حد تک بلند ہوتا ہے کہ وہ خود کو حاصل ہونے والی لذت ومنفعت سے زیادہ دوسرے لوگوں کو لذت ومنفعت پہنچانے سے خوش ہوتے ہیں۔ وہ خود لباس پہن کر نہیں دوسروں کو پہنا کر زیادہ خوش ہوتے ہیں وہ خود کھا کر نہیں بلکہ دوسروں کو کھلا کر زیادہ لذت محسوس کرتے ہیں اپنے آرام وآسائش سے نہیں بلکہ دوسروں کو راحت وآرام پہنچا کر زیادہ خوشحال رہتے ہیں۔ اس نظریئے کے ماننے والوں کا کہنا ہے کہ انسان کے ہر کام کا ایک مبداء اور ہدف ہوتا ہے اور انسان کے ہر کام کا مبداء وہ احساس ومیلان اور عاطفہ ہے جو انسان کے لئے محرک ہے اگر یہ نہ ہو تو محال ہے کہ انسان کوئی کام کرے، انسان کے ہر کام کا کوئی ہدف اور مقصد ہوتا ہے جس تک وہ پہنچنا چاہتا ہے۔

اخلاقی کام وہ کام ہے جو باعتبار ''مبداء'' ایک ایسے میلان سے ظہور میں آتا ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جو اس شخص کی ذات سے مربوط نہیں ہوتا، بلکہ اس کا ربط و تعلق دوسروں سے ہوتا ہے اسی میلان کا نام ''عاطفہ'' ہے۔ ہدف کے لحاظ اخلاقی کام کا مقصد اپنی بھلائی حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا ہدف ومقصد دوسروں کی بھلائی ہے۔

اس نظریئے کے مطابق ''فعل طبیعی'' خودی اور ''انا'' کے دائرے سے خارج نہیں ہے وہ میلان جو خودی اور ''انا'' سے مربوط ہے وہ بھلائی چاہتا ہے خود اپنے لئے چاہتا ہے۔ حیوانات بھی اسی طرح ہیں مگر ''اخلاقی فعل مبداء اور ہدف دونوں اعتبار سے دائرہ ''انا'' سے خارج ہے کیونکہ میلان بھی دوسروں کے لئے ہے اور بھلائی پہنچانے کا مقصد بھی دوسرے لوگوں کے لئے ہے اور اخلاقی انسان وہ ہے جو اپنی خودی کے دائرے سے باہر نکل کر ''انائے غیر'' میں پہنچ جائے۔

یہ وہی مسلک ہے جو اخلاقِ محبت کی تبلیغ کرتا ہے اس مسلک میں یہی محبت ہی اخلاق ہے اور معلمِ اخلاق جس کا اخلاق اسی بنیاد پر قائم ہوتا ہے وہ اپنے کو پیام آور محبت سمجھتا ہے۔

نظریۂ عاطفی پر تبصرہ

یہ نظریہ ایک حد تک تمام ادیان اور دنیا کے بیشتر فلسفی مکاتب کے درمیان ایک مشترک نظریہ ہے ''محبت'' کا وجود ہے اور دنیا کا کوئی دین ایسا نہیں ہے جو ''محبت'' کی تلقین نہ کرتا ہو۔ ہمائے اخبار واحادیث میں ایک جملہ وارد ہوا ہے:

فاحبب لغيرك ما تحب لنفسك واكره له ما تكره لها[1]

یعنی دوسرے کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے اور اس کے لئے وہ برا سمجھو جو اپنے لئے۔

ہمارے یہاں اس مضمون کی بہت سی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ دنیا کے تمام

[1] نہج البلاغہ فیض صفحہ ۹۲۱

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بڑے ادیان میں محبت کے لئے تلقین وتوصیہ موجود ہے اور ہونا بھی چاہئے۔ انتہا یہ ہے کہ بعض مذاہب وادیان میں ''محبت'' ان کے اخلاقی محور کو تشکیل دیتی ہے اور انہوں نے زیادہ تر محبت ہی پر بھروسہ کیا ہے۔ بعض ادیان و مذاہب میں ''محبت'' عناصرِ اخلاق میں سے ایک عنصر ہے محبت کے علاوہ دوسرے عناصر بھی ہیں جو اخلاق میں شرکت رکھتے ہیں۔ مثلاً ہندوستانی اخلاق میں محور ''عاطفہ'' ہے اسی طرح مسیحی اخلاق بھی محبت اور عاطفہ پر ہی منحصر ہے۔ ایک کتاب جس کا نام ہے ''میرا مذہب'' جو گاندھی جی کے نام سے شائع ہوئی ہے اور ایک مستشرق نے اس پر ایک جامع مقدمہ تحریر کیا ہے اور اس مقدمہ میں بطور خلاصہ کتاب کا پورا پورا نچوڑ بیان کر دیا ہے۔ استاد بزرگوار علامہ طباطبائی نے چند سال پہلے از اول تا آخر اس کتاب کا مطالعہ فرمایا تھا آپ تعجب سے فرماتے تھے کہ بڑے گہرے اور غیر معمولی معانی ومطالب اس کتاب میں موجود ہیں۔ یورپ میں آج بھی اس کتاب کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کتاب میں گاندھی جی فرماتے ہیں کہ میں نے ''اپنی شادھا'' کے مطالعہ سے جو اہل ہنود کی مذہبی کتابوں کا کئی ہزار سالہ پرانا مجموعہ ہے اور جس کا شمار دنیا کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے تین بنیادی باتیں حاصل کی ہیں۔

۱۔ اول یہ کہ ساری دنیا میں ایک معرفت اور شناخت کا وجود ہے اور وہ معرفتِ نفس ہے ہندوستانی تہذیب و فلسفہ میں ''خود شناسی معرفت کی پشت پناہ ہے اور تمام علمی ریاضتیں اس مطلب و مقصد تک پہنچنے کے لئے ہیں''۔

۲۔ دوسرے یہ کہ جس نے خود کو پہچان لیا اس نے خدا کو بھی پہچان لیا اور دنیا کو بھی۔ یہ دونوں باتیں بالکل صحیح ہیں۔ مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **من عرف نفسه فقد عرف ربه**: یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے خدا کو پہچان لیا۔ یا حضرت فرماتے ہیں **معرفة النفس انفع**

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

المعارف

سب سے فاردہ مند معرفت اپنے نفس کو پہچاننا ہے [1]

۳۔تیسرے یہ کہ ساری دنیا میں ایک طاقت وجود رکھتی ہے اور وہ طاقت اپنے نفس کو قابو میں کرتی ہے۔ گاندھی جی کے کہنے کے مطابق جس نے اپنے اوپر قابو پا لیا اس نے ساری دنیا کو قابو میں کر لیا۔ساری دنیا میں ایک نیکی وجود رکھتی ہے اور وہ ہے دوسروں کو اپنے مانند دوست رکھنا ہے۔

گاندھی جی کے کلام سے ہمارا مقصود یہی جملہ ہے ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ دوسروں کو دوست رکھنے کی بنیاد پر ہی ہندوستانی اخلاق کی تعمیر ہوتی ہے۔

مسیحی مبلغین کا بھی یہی کہنا ہے کہ ہم محبت کا پیغام لانے والے ہیں۔حضرت مسیح علیہ السلام پیغمبر محبت تھے۔ان کے کہنے کے مطابق آپ نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمہارے داہنے رخسار پر طمانچہ مارے تو تم طمانچہ کھانے کے لئے اپنا بایاں رخسار بھی اس کے سامنے پیش کر دو۔ یہ نظریہ کہ ''اخلاق'' یعنی محبت اور نیکی کرنا! پچاس فیصد صحیح اور پچاس فیصد درست نہیں۔

اس نظریئے پر چند اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

ا۔ ہر محبت کو ''اخلاق'' نہیں سمجھنا چاہیئے، چاہے وہ قابلِ مدح و ستائش کیوں نہ ہو۔ ہر چیز جو قابلِ مدح ہو اخلاق نہیں ہوتی اور ہر چیز جو قابلِ مذمت ہوتی ہے مخالفت اخلاق نہیں ہوتی مثلاً ایک پہلوان کے بازو کی طاقت قابلِ تعریف ہے مگر اس کی طاقت کے عمل کا نام اخلاق نہیں۔

''اخلاق'' میں اختیار و اکتساب کا عنصر پوشیدہ ہوتا ہے۔ایک فطری اور مادرزاد چیز جیسے انسان نے اپنے ارادہ و اختیار سے نہ حاصل کیا ہو بے شک وہ بہت ہی باعظمت اور

---

[1] غرر الحکم: جلد ۲ صفحہ ۷۶۹

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

قابلِ تعریف ہے مگر اسے "اخلاق" نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً بیٹے کے لئے ماں باپ کی محبت اور ان کے احساسات نہایت ہی باعظمت اور لائق تعریف ہیں مگر اسے اخلاق نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہی ماں اپنے ہمسایہ کے فرزند کی طرف وہ التفات نہیں رکھتی۔ ماں کے یہ احساسات احساسِ غیر دوستانہ ہیں اور یہ غیر خود اس کے فرزند میں منحصر ہے۔ ماں نے ان احساسات کو کسب نہیں کیا ہے بلکہ تخلیق کے حکیمانہ قانون نے اسے یہ شدید احساسات عطا کئے ہیں تا کہ زندگی کا نظام برقرار رہے اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر کوئی ماں اپنے بچے کو قبول نہ کرتی۔ ماں کے احساسات عاطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اور خودی کے دائرے سے خارج ہیں۔ ماں باپ، عزیز واقربا، ہم وطن، دوست، ہم قوم وغیرہ کے احساسات بھی اسی قسم کے ہوتے ہیں مگر اخلاق کا دائرہ "غیر دوستی" کی حدود سے وسیع تر ہوتا ہے۔

بہت باعظمت اور باشکوہ افعال کا ایک دوسرا سلسلہ ہے جو بہت ہی احترام اور تقدیس کے قابل ہے اور جس کا "غیر" کی دوستی اور محبت سے کوئی رابطہ اور تعلق نہیں مثلاً ایثار واحسان، ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جب انہیں خطرات کا سامنا ہوتا ہے اور ان کا معاملہ ان دوصورتوں میں دائر ہوجاتا ہے کہ یا تو وہ نقصان برداشت کر لیں یا پھر اپنی عزت کا تحفظ کریں یا مالی وجانی نقصان کے متحمل نہ ہوں اور خود کو ذلت کے حوالے کر دیں یا جان دے دیں مگر ذلت گوارا نہ کریں۔ جان دے دینا اور ذلت گوارا نہ کرنا یہ ایک اخلاقی فعل ہے جو قابل مدح ہے جب کہ یہ فعل "غیر دوستی" اور عاطفہ سے کوئی رابطہ نہیں رکھتا بلکہ یہ اختیاری فعل ہے جیسا کہ امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

القتل اولیٰ من رکوب لاعار [1]

عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

یا جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام بہادروں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

قد استطعمو کم القتال فاقرو اعلی مذلةٍ و تاخیر

---

[1] بحار جلد ۱۵ صفحہ ۵۰

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

محلة اور وقاسیوف من الدماء من الماء فا الموت فی حیاتکم مقھورین والحیاۃ موتکم قاھرین[1]

۲۔ یہ کہنا کہ دنیا میں فقط ایک نیکی کا وجود ہے اور وہ ہے دوسروں کو دوست رکھنا۔ یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس کے علاوہ دنیا میں دوسری نیکیاں بھی پائی جاتی ہے۔

۳۔ انسان دوستی اور انسان سے محبت رکھنا محتاج تفسیر ہے۔ کیا واقعی اگر ایک انسان ایک حیوان کے متعلق عاطفہ و محبت سے کام لے جیسا کہ اس انسان کا واقعہ جو حدیث میں ہے کہ اس نے پانی کھینچ کر کتے کو سیراب کیا تو پھر یہ اخلاق نہیں ہے اس لئے کہ کتا انسان نہیں آیا انسانوں کے علاوہ دوسرے ذی روح کو دوست رکھنا چاہے یا نہیں؟

بجہاں خرم از آنم کہ جہاں خرم از اوست	اس سر بز جہاں کی قسم میری خلقت اور افرنیش کا سبب وہی ہے جو اس سبز سبز جہاں کا ہے
عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم از اوست	سارے عالم کا عاشق ہوں اس لئے کہ سارا عالم اسی سے ہے
بغنیمت شمرای دوست دم عیسیٰ صبح	اے دوست صبح جب نیند سے اُٹھتے ہو تو دوبارہ زندگی پر خدا کا شکر کرو۔
تا دل مردہ مگر زندہ کنی کاین دم از اوست	تا کہ مردہ دل کو زندہ کرو کہ یہ نفس بھی اسی سے ہے
نہ ملک راست مسلم نہ فلک را حاصل	وہ نہ تو کسی ملک کو میسر ہے اور نہ فلک کو
آنچہ درسر سویدائے بنی آدم از اوست	سویدائے قلب کے راز میں جو چیز اس کی ذات سے حاصل ہے
نہ حلاوت بخورم زہر کہ شاہد ساقیت	میں زہر کو حلاوت سے پی رہا ہوں اس لئے کہ معشوق ساقی ہے

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح صفحہ ۸۸ خطبہ ۵۱

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بہ ارادت بکشم درد کہ درمانم ازاوست	اور درد کو ارادت وعقیدت سے برداشت کر رہا ہوں اس لئے کہ میرے درد کا علاج بھی اسی سے ہے

انسان دوستی کیا ہے؟ اس کی تفسیر وتشریح کی ضرورت ہے اور یہی وہ منزل ہے کہ جہاں اگر تھوڑی سی افراط وہ جائے تو انسان دوستی کی بجائے انسان دشمنی کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ کیا انسان سے مراد یہی ایک سر اور ۲ کان رکھنے والا حیوان ہے اور ہم جہاں کہیں بھی حیوانِ ایک سر و دو گوش دیکھیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ انسان حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر کی نسل سے ہے اور جو بھی حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہے وہ انسان ہے، ہمیں اس سے محبت رکھنی چاہیئے؟ ''انسان'' سے مراد ہر انسان نہیں یہ وہ انسان جو بالقوۃ انسان ہے اور نہ وہ انسان جو انسان مخالف ہے بلکہ انسان انسانیت کے معنی میں ہے اور ''انسان دوستی'' ''انسانیت دوستی'' کے معنی میں۔ ''انسان دوستی'' کا مطلب ہے انسانی اقدار سے محبت کرنا جو انسان جس قدر انسانی اقدار کا حامل ہے اسی قدر دوستی کے لائق ہے اور جو انسان جتنا انسانیت سے دور ہے اگر چہ وہ بظاہر شکل وصورت میں دوسرے انسان کے مانند ہے، اتنا ہی وہ قدر و منزلت سے دور ہے ورنہ انسان تو چنگیز بھی تھا اور یزید بھی اور حجاج بن یوسف بھی مگر ان میں جس چیز کا فقدان ہے وہ انسانی قدریں ہیں، یعنی یہ انسان ''مخالف انسان'' انسان ہیں۔

اگر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ''انسان کامل'' ایک ایسے انسان کو جو انسانی قدروں کا حامل نہیں، دوست رکھتا ہے تو یہ اس لئے کہ اسے نجات دے اور اس کو انسانی اقدار کا حامل بنائے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی معنی میں ''رحمۃ اللعالمین'' ہیں یعنی مومن اور کافر دونوں کے لئے رحمت ہیں۔

لہٰذا اخلاقیات میں بنام دوستی اور محبت جس معیار کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس کی تمام حقیقت نہیں ہے بلکہ دوستی اور محبت اس معیار کے لئے ایک عنصر اور جز کی حثیت رکھتی ہے، اس لئے کہ اخلاق دوسروں کی محبت اور دوستی سے اعم ہے اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نظریہ ارادہ

اخلاقی معیاروں کے بارے میں ایک دوسرا نظریہ ارادہ ہے اس نظریئے کے لئے بھی قدرے وضاحت کی ضرورت ہے۔

مشہور یہ ہے کہ ہر حیوان متحرک بالا رادہ ہے یعنی وہ ارادے سے حرکت کرتا ہے مگر یہ غلط ہے اس لئے کہ حیوانات میں جو پایا جاتا ہے وہ ''میل اور شوق'' ہے اسی طرح سے انسان میں بھی شوق اور میلانات کا ایک سلسلہ پایا جاتا ہے، فرق یہ ہے کہ انسان میں ایک دوسری چیز بھی پائی جاتی ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں، جس کا وجود حیوانات میں نہیں پایا جاتا۔

ارادہ عقل کا ہمدوش ہے جہاں عقل ہے وہاں ارادہ بھی ہے اور جہاں عقل نہیں ہے وہاں ارادہ بھی نہیں۔ انسان کبھی تو متحرک بالا رادہ ہوسکتا ہے مگر یہ نہیں کہ وہ ہمیشہ اپنے ارادے سے ہی حرکت کرتا ہے۔ کبھی وہ متحرک بالا رادہ نہیں ہوتا بلکہ اپنے میل شوق سے حرکت کرتا ہے مگر حیوان ہمیشہ اپنی رغبت اور میل وشوق سے حرکت کرتا ہے۔

''میل'' و ''ارادہ'' میں فرق

''میل'' انسان کے اندر ایک چھپی ہوئی کشش کا نام ہے جو اسے خارجی چیزوں کی طرف کھینچتی ہے مثلاً انسان بھوکا ہے اور دسترخوان پر چنے ہوئے کھانے کی طرف اپنے اندر میل اور رغبت کا احساس کرتا ہے یہ ''میل'' ایک طاقت ہے جو اسے کھانے کی طرف کھینچ رہی ہے یا یہ کہ غذا میں ایسی طاقت ہوتی ہے جو انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ واضح تر یہ ہے کہ ''میل'' انسان اور عالم بیرون کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ انسان یا حیوان جس وقت بھوکے ہوتے ہیں تو ان میں کھانے کی طرف میل ورغبت پیدا ہوتی ہے۔ اگر پیاسے ہوں تو پینے والی چیزوں کی طرف میل ورغبت ہوتی ہے۔

خستہ ہوں تو راحت وآرام کی رغبت ہوتی ہے۔ یہ تمام میلانات انسان کو کسی چیز کی طرف کھینچتے ہیں یہاں تک کہ مادری اور انسانی محبتیں بھی میل ہی ہیں۔ جس وقت انسان

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کسی محتاج اور فقیر کا سامنا کرتا ہے تو اس کی مدد کرنے کے لئے اس کے اندر ایک میل اور احساس پیدا ہوتا ہے رہا ''ارادہ'' تو ارادہ ''میل'' کی مانند انسان اور عالم بیرون کے درمیان رابطہ نہیں رکھتا بلکہ وہ فقط انسان کے باطن اور دل سے مربوط ہوتا ہے یعنی انسان پہلے غور وفکر کرتا ہے، امور کے درمیان محاسبہ کرتا ہے عاقبت اندیشی اور دوراندیشی کرتا ہے پھر اپنی عقل سے اچھائیوں اور برائیوں کو تولتا ہے اس کے بعد فیصلہ کرتا ہے کہ مناسب اور بہتر یہ ہے اس وقت اسے جو عقل حکم دیتی ہے اس کا وہ ارادہ کرتا ہے نہ یہ کہ ہر شوق میل اور رغبت جو اس کو اپنی طرف کھینچے اس کا نام ارادہ ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عقل کسی کام کی مصلحت جانتی ہے اور انسان یہ ارادہ بھی کرتا ہے کہ اسے فتوائے عقل کے مطابق انجام دے تو اپنے اندر اس کے برخلاف میل و رغبت کا احساس کرتا ہے۔ مثلاً ایک انسان اپنا ایک غذائی اصول و نظام رکھتا ہے اور وہ ایسے دسترخوان پر بیٹھا ہے جس پر لذیذ کھانا رکھا ہوا ہے اسے لذیذ کھانا کھانے کا جی چاہ رہا ہے مگر عقل کہتی ہے کہ اگر یہ لذیذ کھانا کھایا تو جسمانی امراض میں مبتلا ہو جاؤ گے لہٰذا وہ اپنی رغبت اور میل کے خلاف نہ کھانے کا فیصلہ کرتا ہے یا اس کے برعکس کسی دوا کے کھانے یا پینے کی طرف انسان کی طبیعت راغب نہیں ہے اور نہ صرف یہ کہ اس دوا کی طرف اس کو رغبت نہیں ہے بلکہ اس دوا سے نفرت کا احساس بھی ہے مگر جب وہ عقل کے ترازو میں تولتا ہے تو عقل کہتی ہے کہ تیری صحت و سلامتی کے لئے ''مصلحت'' یہی ہے کہ تو دوا کھالے لہٰذا وہ فیصلہ کرتا ہے اور بے میل و رغبت دوا کھالیتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام میلانات، خواہشات، خوف و بیم اور نفرت و محبت کے تمام جذبات کو کنٹرول اور قابو میں رکھنے کا نام ارادہ ہے۔ اس نظریئے کے مطابق اخلاقی فعل وہ ہے جو مصلحت بینی اور مصلحت سنجی کی بنیاد پر انجام دیا جائے مزید یہ کہ ہر وہ کام جو میل و رغبت سے معرض وجود میں آجائے۔

عواطف، محبتیں اور انسان دوستی بھی اسی طرح ہیں یعنی ان کی حدیں عقل کے ذریعہ متعین ہوتی ہیں۔ بسا اوقات بہت سے مواقع پر عاطفہ کا حکم کچھ اور ہوتا ہے مگر عقل و

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ارادہ کا حکم دوسرا ہوتا ہے عاطفہ کا کام دل سوزی ہے انسان دلسوز ہوتا ہے مگر عقل و ارادہ کو اس پر حاکم ہونا چاہئے۔ زانی کے متعلق قرآن میں ایک آیت ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲

یعنی زانی اور زانیہ جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور اگر تم خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو دین خدا کے (حکم) میں تمہیں ہرگز ان پر ترس نہ آئے اور چاہئے کہ سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت بھی موجود ہو [1]

قرآن مجید نے یہاں ایک مطلب کی طرف توجہ دلائی ہے اور یاد دہانی کرائی ہے اور وہ ہے یہ کہ جس وقت ایک انسان کو ایسی سزا دی جائے گی تو بہت سے افراد ایسے ہوں گے جن کے دل دکھیں گے وہ کہیں گے بہتر ہے اس شخص کی معاف کر دیا جائے۔ یہ ایک عامیانہ اور محسوسانہ حالت ہے۔ عامی افراد یہ فکر نہیں کرتے کہ اگر سزاؤں کے معاف کرنے کا ہی دستور چل پڑے تو ایک جرم کے بعد دوسرا جرم سرزد ہوگا۔ یہاں عاطفہ کا کہنا ہے کہ سزا نہ دو اور عقل و مصلحت کہتی ہے کہ سزا دو۔ ایسے مواقع پر ''غیر'' دوستی کا عاطفہ وجذبہ ہی ہوتا ہے خود دوستی کا نہیں، مگر چونکہ عاطفہ کے پاس کوئی منطق نہیں ہوتی اس لئے وہ انسان کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کام نہ کرو، مگر عقل و مصلحت سختی کے ساتھ حکم دیتی ہے کہ تو نہیں سمجھتا تو نزدیک بین ہے دور نہیں دیکھتا اس لئے ایسا حکم دے رہا ہے۔ خدا کی مقرر کردہ سزائیں چونکہ عامہ بشریت کی مصلحت پر مبنی ہیں اس لئے وہ تیری دلسوزی اور تیری رافت و رحمت سے مغلوب نہ ہوں گی۔ شیخ سعدی نے کہا

[1] سورۂ نور:۲

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ترحم بر پلنگ تیز دنداں	ستم کاری بود بر گوسفنداں

تیز دانت والے شیر پر رحم کھانا بھیڑ بکریوں پر ظلم وستم کرنا ہے

ایک شیر پر منطق و مصلحت اور عقل وارادہ سے صرف نظر کر کے فقط عاطفی نقطۂ نظر سے رحم کرنا درست نہیں ہے ہاں دنیا میں اگر صرف شیر ہی ہوتا تو یہ عاطفانہ اور ترحمانہ فعل درست ہوتا لیکن اگر انسان آنکھیں کھول کر کچھ دور نظر دوڑائے تو اس کی سمجھ میں آجائے گا کہ شیر پر رحم سینکڑوں بھیڑ بکریوں پر ظلم وستم کرنے کے مساوی ومترادف ہے عاطفہ تو ادراک نہیں کرتا کہ شیر پر رحم کرنا دوسرے پر ظلم کرنے کے مساوی ومترادف ہے مگر عقل ومصلحت ان سب چیزوں کا حساب لگاتی ہے انہیں تولتی ہے اس عاطفہ کے پیچھے ظلم و قساوت کا مشاہدہ کرتی ہے پھر نتیجہ فراہم کر کے شیر پر رحم کرنے کو منع کرتی ہے۔

جو بات ایک زنا کار کو تازیہ لگانے کے بارے میں کہی جاتی ہے وہی بات چور کے ہاتھ کاٹنے کے سلسلے میں بھی کہی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا بہت بڑی قساوت اور ظلم ہے یہ انسانیت سے میل نہیں کھاتا چور کا ہاتھ نہیں کاٹنا چاہئے یہ لوگ بھی فقط نزدیک سے ہی دیکھتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ اگر قانون کا نفاذ ہوجائے اور ایک چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو چوری کی جڑ ہی ختم ہوجائے گی۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ انہی چوریوں کے نتیجے میں دنیا میں کتنے بڑے بڑے جرائم ہورہے ہیں اور کس قدر آدم کشی ہورہی ہے۔

لہٰذا اس مکتب فکر کے ماننے والے کہتے ہیں کہ اخلاقی ہونے کا معیار ومیزان عاطفہ نہیں ہے بلکہ عقل وارادہ ہے عاطفہ کو عقل وارادہ کے فرمان کے ماتحت کام کرنا چاہئے۔

اگر ہم عاطفہ کو آزاد چھوڑ دیں تو اخلاق کے نام پر خلافِ اخلاق امور انجام پانے لگیں گے جس مسئلہ پر اسلام فلاسفہ وعلماء زیادہ بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ کامل اخلاق وہ اخلاق ہے جو عقل وارادہ کی بنیاد پر ہو۔ انفرادی اور نوعی غرض کے تمام میلانات کو عقل وارادہ کے ماتحت اور زیر اثر ہونا چاہئے۔ حقیقتاً اخلاقی قہرمان وہ شخص ہے جس کی ذات اور وجود پر عقل وارادہ کی حکومت ہو۔ البتہ انسان کے وجود میں غیر انفرادی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اورعواطف بھی بہت زیادہ پائے جاتے ہیں مگر وہ ایسے سرچشمے ہیں جن پر عقل وارادہ سے کنٹرول کر کے اپنی جگہ خود ان سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ ایسے کامل انسان کبھی تو اس قدر نرم ہو جاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روح پھول سے زیادہ نازک اور بادِ نسیم سے زیادہ لطیف ہے، اور کبھی اتنے سخت دکھائی دیتے ہیں کہ ان کی سختی کو پہاڑ بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ایک منزل پر تو وہ سیکڑوں افراد کا سر مثل گوسفند بلکہ اس سے بھی بدتر طریقے سے اڑا دیتے ہیں اور ان کے دل کو ذرا بھی ٹھیس نہیں پہنچتی اور کہیں ایسا ہوتا ہے کہ کسی معمولی سے منظر کو دیکھ کر یوں لرز جاتے ہیں کہ سنبھلنا مشکل ہو جاتا ہے، جیسے حضرت علی علیہ السلام۔ اگر انسان صرف اپنے عاطفہ کے ہی زیرِ اثر اور ماتحت رہے تو عاطفہ کے پاس کوئی منطق نہیں ہوتی وہ اندھا ہوتا ہے اور ہر جگہ اور ہر موڑ پر چاہے اچھی ہو یا بری اسی طرح ہونا چاہئے لیکن جب انسان کے عواطف اس کے ارادہ وعقل کے اختیار میں ہوتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جگہ اس کی روح لطافت ورقت اور رافت وعظمت کا مظاہرہ کرتی ہے تو دوسری جگہ سختی اور خشونت کا، ایسا ہی انسان اسلام کا ''انسان کامل'' ہوتا ہے۔ البتہ یہ جو ہم کہتے ہیں کہ مثلاً یہ فلاسفہ اسلامی نظریہ ہے اس کا مطلب اسلام کا نظریہ نہیں ہے کیونکہ ایسا نہیں ہے کہ اسلامی فلاسفہ نے جو نظریات دیئے ہیں وہ اسلام کے نقطۂ نظر سے آخری فیصلہ ہو بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حقیقت کا کچھ حصہ بیان کیا ہے۔

اخلاق کے وجدانی ہونے کا نظریہ

ایک گروہ کا اعتقاد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک ایسی طاقت اور قوت ودیعت فرمائی ہے جو انسان کی تکلیف اور فریضہ کو اس پر الہام کرتی ہے اور اخلاقی امور میں اندر سے انسان کو حکم دیتی ہے یہ طاقت نہ تو عاطفہ ہے جیسا کہ ہندوستانی اور مسیحی اخلاق میں بیان کیا گیا ہے اور نہ عقل وارادہ ہے جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں۔ فطری اور طبیعی کام مثلاً کھانا، پانی پینا وجدان سے کوئی ربط نہیں رکھتا، اس بارے میں کہ انسان ایک فطری سلسلہ الہامات سے مجہز ومزین ہے قرآن سورۂ مبارکہ والشّمس میں ارشاد فرماتا ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿١﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿٢﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿٣﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ﴿٤﴾ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿٥﴾ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ﴿٦﴾ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ﴿٧﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴿٨﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴿٩﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴿١٠﴾

سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے اور دن کی جب اسے چمکا دے اور رات کی جب اسے ڈھانک لے اور آسمان کی جس نے اسے بنایا اور زمین کی اور جس نے اسے بچھایا اور جان کی اور جس نے اسے درست کیا پھر اس کی بدکاری اور پرہیز گاری کو اسے سمجھا دیا (قسم ہے) جس نے اس (جان) کو (گناہ) سے پاک رکھا وہ تو کامیاب ہوا اور جس نے اسے (گناہ کر کے) دبا دیا وہ نامراد رہا۔[1]

ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے آخری قسم نفس و روح اور روح انسان کے اعتدال کی قسم ہے خداوند عالم نے انسان کی روح کو فجور یعنی برائی اور تقویٰ یعنی اچھائی کا الہام کیا ہے۔ آیتِ مبارکہ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (یعنی نیکی اور پرہیز گاری کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو) کے نازل ہونے کے بعد وابصہ نامی ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت آ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبل اس کے کہ تم اپنے سوال کو بیان کرو میں تمہارا سوال بتاتا ہوں کہ سوال کیا ہے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمائیں تم مجھ سے برّ و تقویٰ اور اثم و عدوان کی شرح پوچھنے آئے ہو، وابصہ نے عرض کیا بے شک یا رسول

[1] سورۂ الشمس: ۱ تا ۱۰

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت نے اپنی انگشتہائے مبارک اس کے سینے پر رکھیں اور فرمایا یا" **وابصه استفت قلبك**"'' اے وابصہ اپنے دل سے سوال کرو'' خداوند تعالیٰ نے اس کی پہچان ہر انسان کے دل پر الہام فرمائی ہے۔اسی حدیث کو مولانا رومی نے نظم کیا ہے

پس پیمبر گفت استفت القلوب	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے قلوب سے استفتاء (سوال) کرو
گرچہ مفتیشان برون گوید خطوب	اگرچہ ظاہری فطرت کا تقاضا کچھ اور کیوں نہ ہو
گفتہ است استفتِ قلبک آں رسولؐ	آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم اپنے دل سے فتویٰ حاصل کرو
گرچہ مفتی بروں گوید فضول	خواہ تمہارا ظاہر تم سے کچھ بے کار باتیں ہی کیوں نہ چاہے
آرزو بگذار تا رحم آمدش	اپنی خواہشات کو ترک کرو تا کہ رحمت کے دروازے کھل جائیں
آزمودم کاین چنین می بایدش	میں نے یہ آزمایا ہے کہ ایسا ہی ہونا اور کرنا چاہیے۔
چوں نتانی جست پس خدمت کنش	اگر تم ایک ہی دفعہ فاصلہ طے نہیں کر سکتے تو خدمت کرو
تاروی از جس او در گلشنش	تا کہ اس کی تنگی اور محدودیت سے چھٹکارا پا کر بہشت وسیع میں داخل ہو جاؤ
دمبدم چوں تو مراقب می شوی	اگر تم قدم قدم پر اپنے رفتار کردار کا محاسبہ کرتے رہو گے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

داد می بینی و داور اے غوی	عدل اور قسط کے ساتھ عادل و منصف حاکم کو دیکھو گے اے ستمگر
ور ببندی چشم خود را اس احتجاب	اب اگر تم نے اپنی آنکھیں بند کیں اور اس طرح حقیقت کو نہ دیکھا
کار خود را کئی گذارد آفتاب	آفتابِ حق اور حقیقت اس سے اپنی گردش اور کام کرنا نہیں چھوڑے گا

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً يَّهۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ [1]

ہم نے ان کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں اور

ہم نے ان پر اچھے کاموں کی وحی کی۔

تفسیر المیزان میں استاد علامہ طباطبائی نے بڑا ہی پیارا استنباط فرمایا ہے! فرماتے ہیں خداوند تعالیٰ یہ نہیں فرمایا ''وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِمۡ فِعۡلَ الۡخَيۡرٰتِ'' یعنی ہم نے ان کو وحی کی کہ وہ اچھے امور انجام دیں، اگر اس طرح ارشاد ہوتا کہ اس سے مراد حقیقی وحی ہوتی بلکہ اللہ نے خود اچھے کاموں کو ہی الہام کیا ہے [2]

مشرق و مغرب کی دنیا میں ایسے افراد موجود ہیں جو انسان کے باطن میں اس طرح کے مستقل وجدان پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہی لوگوں میں مشہور و معروف جرمنی فلسفی کانٹ کا شمار دنیا کے عظیم فلاسفہ میں ہوتا ہے اسے لوگ جودت فکر میں ارسطو اور افلاطون کا ہم ردیف وہم پلہ کہتے ہیں۔

کانٹ کی خود اپنے فلسفہ کے متعلق ایک کتاب ''عقل نظری'' کے بارے میں

---

[1] سورۂ انبیاء: ۷۳

[2] تفسیر المیزان جلد ۱۴ صفحہ ۳۰۵

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے اور ایک کتاب ''عقلی عملی'' کے بارے میں کتاب ''عقل عملی'' میں اس نے اخلاق کے متعلق بحث کی ہے۔ کانٹ کی گفتگو اور بحث کی اہمیت بھی زیادہ تر حکمتِ عملی اور اخلاقِ عملی ہی کے بارے میں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ''اخلاقی فعل'' یعنی وہ فعل جس کو انجام دینے کے لئے وجدان نے کہا ہو اور انسان بھی بلا چوں و چرا اور بغیر کسی ہدف اور غرض کے صرف حکمِ وجدان کی اطاعت کے لئے انجام دے۔

انسان کے ضمیر و وجدان کے بارے میں کانٹ نے بہت کچھ کہا ہے اس کے حالات میں لکھا ہے کہ اس کا ایک جملہ خود اس کی وصیت سے یا دوسروں کے انتخاب سے اس کی لوحِ قبر پر تحریر کیا گیا ہے وہ جملہ بہت ہی بلند ہے کانٹ نے کہا ہے:

''دو چیزیں ہیں جو انسان کو ہمیشہ تعجب میں ڈالتی رہتی ہیں اور انسان ان کے بارے میں جتنا زیادہ مطالعہ کرتا جاتا ہے اس کا اعجاب بڑھتا جاتا ہے''

۱۔ ستاروں سے بھرا آسمان جو ہمارے سر کے اوپر ہے

۲۔ وجدان جو ہمارے نفس میں ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

''وجدان'' نفسیاتی نقطۂ نظر سے

وجدان یا انسانوں کے وجدانات یا اس سے زیادہ مناسب لفظوں میں، انسان کے فطری امور اور وہ چیزیں جو انسان کی فطرت میں ہیں ان کے متعلق نفسیات میں ایک طولانی بحث ہے اور اس بحث کی بنیاد چار چیزوں پر رکھی گئی ہے۔

وجدان علمی

علم اور حقیقت جوئی کا وجدان اور یہ کہ آیا انسان علم کو اپنی خاطر دوست رکھتا ہے اور اپنی فطرت وطبیعت کے لحاظ سے وہ حقیقت جو اور کاوش گر پیدا کیا گیا یا نہیں؟

وجدانِ اخلاقی

وہ یہ کہ آیا انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے نیکوکار پیدا کیا گیا ہے اور اسے ایسا وجدان عطا کیا گیا ہے جو اسے نیکی کی دعوت دیتا ہے یا نہیں؟

وجدانِ زیبائی

وہ یہ کہ آیا ہر انسان اپنی فطرت اور وجدان کے لحاظ سے زیبا شناس اور حسن و زیبائی کا چاہنے والا پیدا کیا گیا ہے یا نہیں؟

وجدانِ دینی و مذہبی

وہ یہ کہ آیا ہر انسان اپنی خلقت وفطرت کے لحاظ سے خدا خواہ و خدا دوست اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

عبادت و پرستش کرنے والا پیدا کیا گیا یا نہیں؟

کانٹ نے وجدانِ اخلاقی پر اعتماد کیا ہے اور اخلاق کو صریح اور قطعی اصول جانتا ہے جسے انسان کے وجدان نے انسانوں کو الہام کیا ہے۔ اس نظریئے کو ماننے والوں سے اگر ہم پوچھیں کہ لوگ کیوں ایثار کرتے ہیں؟

لوگ کیوں حق شناس ہوتے ہیں؟

لوگ کیوں انتقام سے زیادہ عفو میں لذت محسوس کرتے ہیں؟

لوگ کیوں ذلت کی زندگی کے مقابل جان دینا گوارا کرتے ہیں؟

تو جواب یہ دیں گے کہ یہ سب امرِ وجدانی ہے اور وجدان کے تعمیل حکم کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ البتہ اس نظریئے کی بنیاد دوسرے نظریہ پر ہے جس کا اعتقاد خود کانٹ اور دنیا کے بعض دوسرے فلاسفہ رکھتے تھے اور رکھتے ہیں اور وہ نظریہ تجربے سے پہلے حقیقت کے وجود کا اعتقاد ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت جو دنیا میں موضوعِ بحث ہے کہ کیا انسان کے ذہن کے تمام ادراکات اور اس کا تمام فکری اور وجدانی سرمایہ انسان کے احساسات و تجربوں کا عطا کردہ ہے اور ابتداء خلقت سے انسان کے ذہن میں ان کا وجود کسی بھی شکل و صورت میں نہ تھا بلکہ انسان نے اسے صرف اپنے حواس کے ذریعہ حاصل کیا ہے؟ یا ایسا نہیں ہے بلکہ ابتداء خلقت سے ہی انسان کے ذہن میں احکام کا ایک سلسلہ پایا جاتا ہے؟ ماضی میں بھی اور آج کل بھی ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ انسان کے ذہن میں کوئی چیز وجود نہیں رکھتی صرف وہی چیزیں ہوتی ہیں جو حواس کے ذریعہ سے اس کے ذہن میں داخل ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کے نقطۂ نظر سے انسان کا ذہن ایک گودام کی حیثیت رکھتا ہے جو شروع میں خالی ہوتا ہے اور حواس اور تجربات کے ذریعے اس کے اندر چیزیں اور معلومات جمع ہوتی ہیں اور جگہ پُر ہو جاتی ہیں

فلاسفہ کا ایک دوسرا گروہ کہا جاتا ہے کہ ذہن کے گودام میں جو چیزیں ہیں وہ دو طرح کی ہوتی ہیں کچھ تو وہ ہوتی ہیں جو حواسِ ظاہری کے جھروکوں سے آتی ہیں اور بعض

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

چیزیں وہ ہوتی ہیں جو حس واحساس سے پہلے ہی موجود ہوتی ہیں کانٹ کا شمار بھی انہی فلاسفہ میں ہوتا ہے جو اسی دوسرے نظریئے کو تسلیم کرتے ہیں اور حقائق ماقبل تجربہ کے قائل ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

عقل عملی و عقل نظری

اس سلسلہ کا ایک دوسرا مسئلہ جسے ہمیشہ قدیم اسلامی فلاسفہ نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ عقلِ انسانی کے احکام کے دو حصے ہیں، ۱۔ عقل عملی کے احکام، ۲۔ عقل نظری کے احکام، انسان کی عقل کے امور کا ایک حصہ ان چیزوں کا ادراک کرنا ہے جو وجود رکھتی ہیں اور اس ادراک کا نام عقل نظری ہے دوسرا حصہ ان چیزوں کا ادراک کرنا ہے جنہیں انجام پانا چاہئے اور اس ادراک کو عقل عملی کہا جاتا ہے۔

کانٹ کا تمام تر فلسفہ عقل عملی و عقل نظری کے تنقید و تبصرے اور اس بات پر مشتمل ہے کہ ان دونوں سے کیا کام انجام پاتے ہیں۔ آخر میں وہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ عقلِ نظری سے زیادہ کام انجام نہیں پاتے، عمدہ اور بہتر عقلِ عملی ہے جو وجدان تک پہنچتی ہے۔ کانٹ کہتا ہے وجدان یا عقلِ عملی احکام تک پہنچتی ہے۔ کانٹ کہتا ہے وجدان یا عقل عملی احکام و اصول کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو احساس و تجربہ کے ذریعہ انسان کو نہیں حاصل ہوا ہے بلکہ انسان کی فطرت و سرشت کا ایک جز ہے۔

مثلاً سچ بولنے اور جھوٹ سے پرہیز کرنے کا حکم ایک ایسا حکم ہے جو انسان کے سچ اور جھوٹ کے تجربہ کرنے سے پہلے موجود ہے۔ یہ انسان کی فطری اور پیدائشی چیز ہے اور اس کے احساس و تجربہ سے مربوط نہیں ہے۔ فرض کیجئے ہم کہیں کہ راست گو بنو اور پھر یہ استدلال کریں کہ اگر انسان سچ بولتا ہے تو لوگ اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اگر آدمی سچ بولتا ہے تو لوگ گمراہی میں نہیں پڑتے اگر کوئی سچ بولتا ہے وہ خود اپنی شخصیت اور پوزیشن بناتا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے یا اس کے برعکس جھوٹ بولنے کے نتائج بیان کریں۔

کانٹ کا کہنا ہے کہ اخلاقی وجدان کو نتائج سے کوئی سروکار نہیں ہوتا یہ تو عقل ہے جو مصلحت اور نتائج سے سروکار رکھتی ہے ہمیشہ مصلحت کے پیچھے پڑی رہتی ہے، ہمیشہ اس کے احکام مشروط ہوتے ہیں، یعنی ہمیشہ اسی چیز کا حکم دیتی ہے جو مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اگر مصلحت نہیں ہوتی تو عقل بھی اپنے حکم وفرمان سے ہاتھ اٹھا لیتی ہے۔ معلمینِ اخلاق اگر کبھی اخلاقی اصول کے برخلاف چلنے کی اجازت دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ وجدان سے الہام حاصل کرنا نہیں چاہتے بلکہ وہ عقل کا حکم چاہتے ہیں عقل ہے کہ جو مصلحت کے پیچھے چلتی ہے نہ کہ وجدان۔ وجدان کہتا ہے ''دروغ گوئی چھوڑ دو راست گو بنو''۔ وجدان کا یہ حکم مطلق ہے یعنی سچے بنو چاہے اس کے نتائج تمہارے حق میں نقصان دہ کیوں نہ ہوں جھوٹ نہ بولو چاہے اس میں تمہارا کتنا ہی فائدہ کیوں نہ ہو بقول حافظ!

در اندرون من خستہ دل ندانم کیست	کہ من خموشم داد در فغان و درغوغاست

میرے خستہ دل میں معلوم نہیں کون ہے کہ میں خاموش ہوں اور وہ فریاد و فغاں بلند کر رہا ہے۔

خدا نے انسان کے اندر ایک قوتِ حاکمہ ودیعت کی ہے۔ کانٹ کہتا ہے کہ انسان اخلاقی فرائض سے مکلف ہو کر دنیا میں آیا ہے اس کے اندر ایک ایسی طاقت ہے جو اس کے لئے برابر فرمان صادر کرتی رہتی ہے، کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں ہے جس نے کوئی غیر اخلاقی کام انجام دیا ہو اور اس کی تلخی و پشیمانی کا مزہ نہ چکھا ہو، مثلاً ایک انسان جب غیبت کرتا ہے تو وہ غصے میں ہوتا ہے اگر کسی سے جھگڑتا ہے تو اس حالت میں بڑے غصے میں ہوتا ہے گرم ہوتا ہے اس وقت اگر اس کے بدن پر کوئی زخم بھی لگ جائے تو اس کو احساس نہیں ہوتا۔ وہ اس غصے اور گرمی کی حالت میں غیبت کرنے یا جھگڑنے میں ایک لذت پاتا ہے، جیسے ایک بھوکے انسان کو کھانے میں لذت ملتی ہے۔ قرآن کی تعبیر بھی اسی کے مانند ہے کہ جب یہ حالت رفع ہو جاتی ہے تو آدمی میں خود اپنی ذات سے تنفر کی ایک کیفیت پیدا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہوجاتی ہے اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے ہی جدا ہوجائے خود کو ملامت اور سرزنش کرتا ہے یہ سب وجدان کا عذاب ہے جو ایک حقیقت ہے۔

دنیا کے بڑے سے بڑے جنایتکار چاہے چند ہی لمحے کے لئے سہی اس عذاب وجدان کا احساس کرتے ہیں۔ اکثر بدقماش وجنایت کار افراد بڑی شدید سرگرمیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ مثلاً تریاک اور ہیروئن اور دوسری نشہ آور چیزوں اور قمار وغیرہ کے عادی ہوتے ہیں تو اس کا راز یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ گویا ان کا باطن سانپ اور بچھوں سے پُر ہے جو اسے ہمیشہ ڈستے رہتے ہیں اور یہ بری عادتیں مرفین کے انجکشن کے مانند ہیں کہ جب ایسا انسان درد کی شدت سے تڑپنے لگتا ہے تو اسے یہ انجکشن لگا دیتے ہیں تا کہ درد کا احساس نہ ہو سب سے بڑی بدقسمتی تو یہی ہے کہ انسان اپنے کو ویسا نہیں بنا پاتا کہ وہ اپنے ساتھ خلوت وتنہائی اختیار کر سکے اس کے برعکس بہت سے صاحبان اصلاح وتقویٰ واخلاق ہیں جو ہمیشہ اپنے وجدان کی آواز سنتے رہتے ہیں اور ان برائیوں کے عادی نہیں ہیں، جو چیزیں ان کو ان کی ذات سے دور کرتی ہیں ان چیزوں سے ہی وہ دور رہتے ہیں۔ باطنی عالم حقیقتاً اس بیرونی دنیا سے زیادہ سالم اور محفوظ ہوتا ہے جس شخص کا باطنی عالم عجائب گھر کے مانند ہوتا ہے جس میں درندے چھوڑے گئے ہوں تو وہ اپنی ذات ہی سے فرار کرنے لگتا ہے اِدھر جاتا ہے اُدھر جاتا ہے دوسری چیزوں کو اختیار کرتا ہے مگر صالحین اس کے برعکس ہوتے ہیں رومی نے کہا ہے

یک زماں تنہا بمانی توز خلق	در غم و اندیشہ مانی تا بہ حلق
ایں تو کی باشی تو آں واحدی	کہ خوش و زیبا و سرمست خودی

یہ جو انسان اپنے ساتھ خلوت نہیں کر سکتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی ''خودی'' کو کھو چکا ہوتا ہے ان لوگوں کے نظریئے کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا انسان ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے وجدان کے ساتھ بسر نہیں کر سکتا کیونکہ وجدان اس کی ملامت کرتا ہے:

کانٹ کہتا ہے!

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اگر کوئی ایسا حاکم انسان کے باطن میں نہ ہوتا تو یہ وجدانی عذاب یہ تلخیاں اور یہ پشیمانیاں بھی انسان کے دل میں نہ ہوتیں اور انسان اپنے کئے پر راضی ہوتا یا کم سے کم ناگواری کا احساس نہ کرتا چونکہ یہ قوت حاکمہ مطلقاً ایک قلبی اور غیر تجربی طاقت ہے ہر جگہ ایک ہی طرح سے صادق آتی ہے نیز ضروری و جبری ہے، کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتی اور عقل کی مانند مصلحت کی پیروی نہیں کرتی۔ ممکن ہے ایک انسان اپنے کو کسی ظالم کے سپرد کر دے مگر وہ ہرگز اپنے وجدان کو کسی بدعملی کے سامنے نہیں جھکا سکتا، دنیا کے بڑے سے بڑے جنایتکار کا وجدان بھی اس کے سامنے نہیں جھکتا اور اس کا وجدان ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ بہت اچھا کام کیا ہے بلکہ وہ اپنے ہی حکم پر قائم رہ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرح انسان کے باطن سے امر و نہی کرتا رہتا ہے تاریخ شاہد ہے کہ بہت سے جنایتکار بدترین جرائم کے مرتکب ہو کر دیوانے ہو گئے ان کی دیوانگی کی وجہ وجدان کی مخالفت اور یہی تلخیاں اور پشیمانیاں ہیں۔

یہ کانٹ کا نظریہ ہے مگر دوسرے مفکرین کہتے ہیں کہ انسان تخلیق کے لحاظ سے مستعد ہوتا ہے کہ کے بعد والے فرائض کو انجام دے۔

کمال وسعادت

آیا ''کمال سعادت'' کے ماسوا کوئی چیز ہے یا ''سعادت'' ہی عین کمال ہے کانٹ کہتا ہے!

اخلاقی وجدان کمال کی دعوت دیتا ہے ''سعادت'' کی نہیں۔ کانٹ کمال اور سعادت کے درمیان فرق قائم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ پوری دنیا میں صرف ایک ہی نیکی وجود رکھتی ہے اور وہ نیک ارادہ ہے، یعنی وجدان کے احکامات کے سامنے مطلقاً مطیع و فرمانبردار ہونا چاہے انسان کے لئے سودمند اور لذت بخش ہو یا نہ ہو، خوشی حاصل ہو یا رنج و غم وجدان کا ''سعادت'' سے کوئی سروکار نہیں ہے چونکہ ''سعادت'' نام ہے انتہائی خوشی کا اور ہر لذت خوشی نہیں ہے ایسی لذت خوشی نہیں ہے جس کا نتیجہ رنج و غم ہو ''سعادت'' یعنی ایسی خوشی جس میں روحانی، جسمانی، دینوی اور اُخروی غرض کسی قسم کا رنج و الم نہ ہو، تمام درد و غم اور رنج و الم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کا حساب کرنا چاہئے پھر جس سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہو وہی سعادت ہے اصولاً سعادت خوشی پر مبنی ہے۔ہم کہہ چکے ہیں کہ ''وجدان'' کا سعادت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا مگر کمال ہے دوسروں کی ''سعادت'' چاہو اس لئے کہ یہی تمہارا کمال ہے یہی وہ مقام ہے جہاں کانٹ نے کمال وسعادت میں فرق کیا ہے اور یہی فکر اس کے زمانے سے آج تک رائج ہے اسی لئے یورپین کہتے ہیں کہ کمال اور سعادت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

کمال وسعادت فلسفۂ اسلامی کے نقطۂ نظر سے

اسلامی فلسفے میں کمال وسعادت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔بوعلی سینا نے ''اشارات'' میں اور دوسرے اسلامی فلاسفہ نے دوسرے مقامات پر بیان کیا ہے۔اسلامی فلاسفہ کا اعتقاد ہے کہ کمال کو سعادت سے اور سعادت کو کمال سے جدا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہر کمال سعادت ہی کی ایک قسم ہے۔مگر کانٹ یہ اعتراف کرتے ہوئے بھی کہ حسن وزیبائی سے تکلیف اور سعادت سے اخلاق کا جدا ہونا امر مشکل ہے کمال وسعادت میں جدائی اور فرق کرتا ہے۔

تمام اسلامی فلاسفہ اخلاق کو سعادت کے ساتھ لازم جانتے ہیں بلکہ سعادت کو رکن اخلاق سمجھتے ہیں مثلاً فارابی نے اخلاق کے بارے میں چند کتابیں لکھی ہیں جس میں ''سعادت'' کے متعلق کافی بحث کی ہے اور اخلاق وسعادت کو توأم اور جڑواں بتایا ہے۔ دوسرے اخلاقی معلمین مثلاً الشیخ الجلیل محمد مہدی النراقی صاحب جامع السعادات اور ان کے فرزند الشیخ الجلیل ملا احمد النراقی صاحب معراج السعادت نے اپنی کتابوں میں سعادت کو اخلاق کا رکن بتایا ہے۔مگر کانٹ کا کہنا ہے کہ اخلاق کا کمال سے کوئی سروکار نہیں ہے اور پھر خود ہی اعترض کرتا ہے کہ اگر اخلاق سے سعادت جدا ہو جائے تو اخلاقی فعل بہت دشوار ہو جائے گا کیونکہ ایک اخلاقی انسان یہ اطمینان رکھتے ہوئے کہ وہ سعادت سے دور ہو رہا ہے اس کے باوجود اسے چاہئے کہ اپنی اخلاقی حس کے حکم کو مان لے۔اس اعتراف کے باوجود بعد میں کانٹ یہ کہتا ہے کہ دشوار ہے مگر ملکوت تک پہنچنے کا تنہا راستہ یہی ہے کہ انسان راہِ کمال کو اختیار کرے راہِ سعادت کو نہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

یہاں مسٹر کانٹ پر ایک بڑا واضح اعتراض ہے کہ انسان جب ملکوتِ اعلی تک پہنچتا ہے تو سعادت مند ہوتا ہے یا شقاوت مند؟ وہ کمال جو انسان کو ملکوتِ اعلیٰ تک پہنچاتا ہے تو سعادت تک پہنچاتا ہے یا شقاوت تک؟ مجبوراً یہی کہنا پڑے گا کہ سعادت تک پہنچاتا ہے، پھر یہیں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ سعادت و کمال میں جدائی نہیں ہے، کانٹ نے جس سعادت کو کمال سے جدا کیا ہے وہ دنیاوی اور مادی خوشی ہے کیونکہ بنیادی طور پر وہ سعادت کو کمال سے جدا نہیں کر سکا۔ جس طرح بوعلی سینا وغیرہ نے کہا ہے کہ سعادت و کمال غیر قابلِ انفکاک اور نا قابلِ جدائی ہیں اسی طرح کانٹ بھی آخر میں دونوں کے درمیان جدائی نہیں کر سکا کیونکہ ہم چاہے جو بھی توجیہ کریں مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ سعادت سے اس کی مراد وہی چیز ہے جس کو ہمارے قدماء نے سعادتِ حسی کہا ہے۔ قدیم اسلامی فلاسفہ دو سعادتوں کے قائل تھے سعادتِ حسی اور سعادتِ غیر حسی۔

کانٹ چونکہ عقل نظری کے مسئلہ میں جسے ہم فلسفہ اور حکمت الٰہی کہتے ہیں کسی نتیجے تک نہیں پہنچا اس نے اپنے فلسفہ کا مرکز و محور اخلاقی وجدان کو قرار دیا ہے اور نظریئے اور نتیجے تک پہنچا ہے کہ اس نے سب چیزیں یہیں سے کشف کی ہیں۔ مذہب، آزادی، اختیار، بقاءِ نفس، معاد اور وجود خدا کا اثبات غرض سب کی کنجی اسی وجدانی اخلاقی میں ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ہم عقل نظری (یعنی فلسفہ) کے ذریعہ ثابت کرنا چاہیں کہ انسان مختار و آزاد ہے تو نہیں کر سکتے اور کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے بلکہ عقل نظری سے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان ایک مجبور و بے اختیار موجود ہے۔ مگر اخلاقی حس جو ایک باطنی اور وجدانی امر ہے اور جسے انسان علم حضوری[1] کے ذریعہ کشف کرتا ہے، خود کو آزاد و مختار پاتا ہے۔ البتہ کانٹ نے یہ کوئی نئی بات نہیں کہی ہے۔ آزادی اور اختیار کے مسئلہ میں بہت سے افراد اسی نتیجے تک پہنچے ہیں کہ یہ ایک حسی اور باطنی امر ہے مثلاً مولانا رومی کہتے ہیں

ایں کہ گوئی ایں کنم یا آں کنم	خود دلیل اختیار است اے صنم

---

[1] علم حضوری یعنی وہ علم جسے انسان اپنے باطن کو بدونِ واسطہ دیکھتا ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جوتو یہ کہتا ہے کہ یہ کروں یا وہ کروں تو اے صنم یہ کہنا خود آزادی اور اختیار کی دلیل ہے۔

کانٹ کہتا ہے کہ انسان فلسفی دلیلوں سے نہیں بلکہ خود اپنے وجدان کے حکم سے آزاد و مختار ہے اور یہیں سے وہ بقاءِ نفس کے مسئلہ کو ثابت کرتا ہے۔

بقاءِ نفس

انسان و انسانیت کے اہم مسائل میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ آیا انسان کی روح اور نفس مرنے کے بعد باقی اور قائم رہتی ہے اور دوسرے عالم میں سعادت مند یا شقاوت مند ہے یا نہیں؟ یا اس کا نفس و روح مرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے؟ یہ مسئلہ دنیا کے اہم ترین فکری و فلسفی مسائل سے تعلق رکھتا ہے، ہم اگر آج یورپ کی مشینی دنیا میں جائیں تو وہاں کے بڑے فلسفیوں کو دو گروہوں میں بٹے ہوئے دیکھیں گے، ایک گروہ مادی فلاسفہ کا ہے دوسرا روحانی۔ کانٹ کا خیال ہے کہ فلسفی دلیلوں سے بقاءِ نفس کو نہیں ثابت کیا جاسکتا یہ انسان کا وجدان ہے جو کہتا ہے کہ نفس باقی ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے اور دوسرے عالم میں جزا و سزا پاتا ہے۔ کانٹ کہتا ہے کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ وجدان انسان کو ہمیشہ صداقت و امانت اور عدالت کا حکم دیتا ہے اور انسان یہ بھی برابر دیکھتا ہے کہ اس دنیا میں اس کو امانت و صداقت اور دعدالت وغیرہ کا کوئی بدلہ نہیں ملتا بلکہ دنیاوی پاداش کے لحاظ سے یہ چیزیں انسان کے لئے قید و بند ہیں، اگر یہ قید و بند دنیا میں نہ ہوتی تو انسان کا ہاتھ بہت زیادہ کھلا ہوتا بنا بریں کوئی دوسری دنیا ہے جہاں بدلہ دیا جائے گا۔ مثلاً علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا مقابلہ معاویہ ایسے انسان سے، حضرت علی علیہ السلام پابندِ عدالت اور ہر طرح کی بے جا تفریق، رشوت، جھوٹ اور فریب سے دور غرض آپ علیہ السلام کی تمام سیاست ہی اسی بنیاد پر قائم تھی اور مقابلہ میں ایک ایسا انسان ہے جو ان کمالات سے دور ہے۔ لہٰذا امیرِ شام کے لئے ناانصافی اور بے جا تفریق کوئی مسئلہ ہی نہیں، انہیں تو اپنا مقصد حاصل کرنا ہے، چاہے عدل و انصاف سے حاصل ہو اور چاہے فریب و ناانصافی رشوت اور نیرنگیٔ عمل سے اور قہراً وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں دنیا میں ہمیشہ تمام انسانوں کے لئے قید و بند، پابندی اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

محدودیت ایجاد کرتی ہیں اس کے باوجود پھر بھی انسان کا باطن اور ضمیر اسے عدالت و صداقت کا حکم دیتا ہے: کانٹ کہتا ہے

محال ہے کہ انسان اپنے ضمیر اور باطن سے آگاہانہ طور پر مطمئن نہ ہو، عدالت و صداقت وغیرہ کے نیک انجام کے لئے اس کے ضمیر و وجدان کی گہرائی میں ناآگاہانہ یہ اعتقاد و ایمان بھی ہوتا ہے کہ بدلے اور پاداش کے لئے ایک دوسرا عالم بھی ہے اگرچہ بظاہر وہ اس سے کبھی کبھار انکار ہی کیوں نہ کرے۔ ہم نہیں جانتے کہ واقعاً کوئی قیامت اور معاد ہے یا نہیں اور مرنے کے بعد اور قیامت کے بعد کچھ ہے یا نہیں مگر انسان اپنے اندر آگاہانہ طور سے ان حقائق پر ایکان رکھتا ہے لہٰذا اگر سو بار سچ بول کر ہر مرتبہ اس کا برا نتیجہ دیکھے اور سو مرتبہ عدل و انصاف اختیار کرے اور ہر بار اسی کے نتیجے میں اسے ظلم برداشت کرنا پڑے تو اس کے باوجود بھی وہ عدالت و صداقت اور امانت داری سے دستبردار نہ ہوگا اس لئے کہ وہ اپنے ضمیر و وجدان کی گہرائی میں علمِ حضوری سے اس چیز کا احساس کرتا ہے کہ زندگی صرف اسی دنیا تک محدود نہیں ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ دنیا کا یہ دور شکمِ مادر میں جنین کے دورِ زندگی کی نظیر ہے اور اس کے سامنے ایک دوسری ولادت اور زندگی ہوتی ہے۔ لہٰذا فرائض کا احساس بدلہ اور بقاءِ نفس کے ایمان پر ہے اور بقاءِ نفس کا ایمان وجود "خالق" کے ایمان پر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کانٹ صرف اخلاقی اصولوں کا استنباط نہیں کرتا جو ماوراءِ طبیعیات میں اس کے فلسفے کے لئے ستون ہیں بلکہ وہ آزادی، اختیار، بقاءِ نفس اور آخرت کا بھی استنباط و اثبات کرتا ہے اسی بنا پر اس نے کہا ہے کہ دنیا میں دو چیزیں ہیں جو تعجب میں ڈالنے والی ہیں تعجب خیزی میں کوئی دوسری چیز ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتی۔

۱۔ ایک ستاروں سے بھرا آسمان جو ہمارے سر پر ہے۔

۲۔ دوسرے وجدان جو ہمارے نفس میں ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں چیزوں نے خود کانٹ کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے کیونکہ وہ انسانی ضمیر میں بہت سی چیزوں کو دیکھتا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کبھی کبھی ہمارے علماء و عرفا اور دوسرے دانشمند عقل کی بجائے لفظ''دل'' استعمال کرتے ہیں جس سے ان کا مقصود یہی وجدان ہوتا ہے۔ کانٹ کہتا ہے:

جان جاک روسو کا خدا کے بارے میں ایک جملہ ہے اور وہ یہ کہ''دل ایسی منطق رکھتا ہے کہ انسان کا دماغ اس کا ادراک نہیں کرتا''۔ یعنی بعض اوقات انسان کسی ایسی چیز کا اپنے وجدان کے ذریعہ احساس کرتا ہے جب کہ اس کی فکر وہاں تک نہیں پہنچتی۔

اس کے بعد کانٹ یورپ کے مشہور ماہر ریاضیات و کیمیا پاستور کا ایک جملہ نقل کرتا ہے''دل اپنے لئے ایسی دلیلیں رکھتا ہے کہ عقل کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی''۔

کانٹ کہتا ہے کہ دونوں نے صحیح کہا ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو وجودِ خدا کے اثبات کے لئے عقلی دلیلوں ہی کے پیچھے نہیں پڑا رہنا چاہیئے بلکہ اثباتِ ذاتِ پروردگار کے لئے دل، ضمیر اور دوسرے راستے ہیں۔ ایک حدیث اس بحث سے مناسبت رکھتی ہے۔

ایک شخص حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں کس دلیل سے خدا کا اعتقاد پیدا کروں؟ امام نے اسے وجدانی تحلیل کے ذریعہ سمجھایا، فرمایا کیا تم کو کبھی کشتی میں سوار ہونے کا اتفاق ہوا ہے اس نے عرض کیا ہاں۔ امام نے فرمایا کبھی ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ ہوا تیز چل رہی ہو اور دریا غیر معمولی انداز میں متلاطم ہوا اور یکا یک کشتی اس طرح ٹوٹ گئی ہو کہ نجات کے تمام اسباب و وسائل ختم ہو گئے ہوں اور تو تمام چیزوں سے مایوس ہو گیا ہو؟ اس نے عرض کیا ہاں ایسا بھی اتفاق ہوا ہے۔ امام نے فرمایا اس وقت تو نے کچھ احساس کیا کہ کوئی طاقت و قدرت ہے جو اگر چاہے تو تجھے بچا سکتی ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں ایسا احساس ہوا ہے۔ امام نے فرمایا وہی''خدا'' ہے۔ جس وقت تیری نجات کے تمام اسباب و ذرائع ختم ہو گئے تو یہ تیرا وجدان تھا جس نے تجھے مایوس نہیں ہونے دیا۔ چونکہ دراصل تیرے وجدان میں ایک ایسی چیز ہے جب خدا کی مشیت شامل ہو تو اس کے سامنے اسباب اور مسببات کا سلسلہ کوئی چیز نہیں ہوتا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کانٹ کے نظریۂ ''وجدان اخلاقی'' پر تبصرہ

کانٹ کا یہ نظریہ بہت ہی بلند اور لطیف نکات کا حامل ہے لیکن اس کے باوجود قابلِ تنقید و تبصرہ ہے۔ ایک تنقیدی سلسلہ جو اس نظریہ کے متعلق ہے اور جو واقعاً درست بھی ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ اس نظریئے میں ''عقل محض'' کانٹ کی اصطلاح میں اور ''عقل'' اور ''فلسفہ'' اسلامی فلاسفہ کی اصطلاح میں مورد تحقیر و اہانت ہوئی ہے۔ کانٹ کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہم ''عقلِ نظری'' کے ذریعہ سے ان مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو بھی ثابت نہیں کر سکتے ہم ''وجدان'' اور عقلِ عملی کا انکار کئے بغیر ''عقلِ نظری'' کے ہی ذریعہ سے انسان کی آزادی و اختیار، بقاء نفس اور خداوند عالم کے وجود کو ثابت کر سکتے ہیں۔ وہی اخلاق احکامات جو ان کی نظر میں وجدان سے الہام حاصل کرتے ہیں ''عقل نظری'' بھی ان احکامات کو ''کم سے کم ایک موئد کی حیثیت سے وجدان کے لئے'' صادر اور درک کر سکتی ہے''

۲۔ کانٹ پر دوسرا اعتراض جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں یہ ہے کہ وہ کمال وسعادت کے درمیان جدائی کا قائل ہے اور یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ کمال سعادت سے جدا نہیں ہے بلکہ ہر کمال خود سعادت کی ایک قسم ہے۔ سعادت اور خوشی صرف محسوساتی خوشی میں منحصر نہیں ہے اور کانٹ کی یہ بات عجیب ہے کہ خوشی کو انہوں نے محدود کیا ہے۔ اس سے پوچھنا چاہئے کہ جب کوئی انسان اپنے وجدان کی اطاعت نہیں کرتا تو وہ کیونکر اپنے وجدان میں تلخی اور شدت کا احساس کرتا ہے لیکن وہ جس وقت اپنے وجدان کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اطاعت کرتا ہے تو مسرت ولذت کا احساس کیوں نہیں کرتا اس بناء پر بقول کانٹ اگر انسان حکمِ وجدان کی اطاعت کرتا ہے تب بھی تلخی کا احساس کرتا ہے کیونکہ خود ہی اس نے کہا ہے کہ ہم اسے سعادت سے جدا سمجھتے ہیں اور یہ سخت دشوار امر ہے کیونکہ اگر وجدان کی اطاعت کریں تب ہی رنج ومشقت کا احساس ہوگا اور اگر مخالفت کریں تب بھی۔ حالانکہ یہ محال ہے کیونکہ جس دلیل سے انسان حکمِ وجدان کی مخالفت کر کے رنج ومشقت کا احساس کرتا ہے اسی دلیل سے ندائے وجدان کی اطاعت کر کے ایک قسم کی ناقابلِ تعریف خوشی ومسرت کا احساس کرتا ہے۔ مثلاً ایثار کرتا ہے تو اس کا باطن گلشن کے مانند پُر بہار ہو جاتا ہے دوسروں کے راحت وآرام کے لئے خود دکھ درد اور رنج وغم برداشت کرتا ہے تو اسی صبر وتحمل کی وجہ سے وہ اپنے اندر ایک قسم کی ایسی مسرت کا احساس کرتا ہے جس کی مثال حسی اور مادی لذت میں نہیں پاتا۔

شیخ بوعلی سینا نے ''اشارات'' کے خاتمے میں ایک فصل اس عنوان سے قرار دی ہے کہ اگر ہم ''لذت'' کو ''لذتِ حسی'' میں منحصر سمجھتے ہیں تو یہ غلطی ہے اس کے بعد شیخ نے معنوی لذتوں کا ذکر کیا ہے۔ ''نفسیات'' میں آج بھی یہ ثابت ہے کہ انسان کے لئے لذت صرف لذتِ حسی میں منحصر نہیں ہے۔ ''لذتِ حسی'' ایک جسمانی لذت ہے جو ایک خارجی محرک سے اس طرح مربوط ہوتی ہے جس طرح غذا کی لذت انسان کی زبان سے ربط پیدا کرتی ہے یا اسی طرح سے دوسری لذتیں جو قوت شامہ یا لامسہ حاصل کرتی ہیں۔

مگر لذتوں کا ایک ایسا سلسلہ بھی ہے جو جسم سے مربوط نہیں مثلاً ایک بہادر انسان کے لئے احساسِ شجاعت وقہرمانی کی لذت۔ جب وہ احساس کرتا ہے کہ میں سب سے زبردست اور بالادست ہوں تو لذت کا احساس کرتا ہے۔ انسان ہر دلعزیز ہو جاتا ہے۔ تو لذت محسوس کرتا ہے۔ ایک عالم کسی علمی حقیقت کے کشف ہو جانے سے لذت اٹھاتا ہے۔ ان لذتوں میں سے کسی کا عامل حسی اور خارجی نہیں ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات جب انہیں کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تھا تو اسے حل

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کرنے کی فکر میں بیٹھ جاتے تھے اور آخر شب میں جب مسئلہ حل ہو جاتا تھا تو وجد ونشاط اور وفورِ مسرت سے بے حال ہو کر فرماتے تھے:

این الملوك و ابناء الملوك من هٰذه اللذة

بادشاہان وشہزادگان کہاں ہیں وہ آکر دیکھیں کہ اس وقت میں جو لذت محسوس کر رہا ہوں وہ زیادہ ہے یا وہ لذتیں جو وہ لوگ مادی اور حسی چیزوں سے حاصل کرتے ہیں؟

مرحوم سید محمد باقر حجۃ الاسلام نے شب زفاف دیکھا کہ دلہن کے پاس جانے میں ابھی کچھ وقت ہے مثلاً ایک گھنٹہ کے بعد جانے کی نوبت آئے گی تو جا کر مطالعہ میں مصروف ہو گئے اور مطالعہ میں اتنا غرق ہو گئے کہ یاد ہی نہ رہا کہ آج کی شب ان کی شبِ زفاف ہے اور جب یہ خیال آیا تو ساتھ ہی آذان کی آواز سنی۔ بے چاری دلہن بہت رنجیدہ ہوئی کہ موصوف نے اسے پسند نہیں فرمایا مگر مرحوم سید باقر نے آکر قسم دی کہ بخدا میں اس قدر مطالعہ میں غرق ہو گیا تھا یہ یاد ہی نہ رہا کہ آج میری شادی کی رات ہے۔

یہ لذت علمی لذت ہے، حسی نہیں۔ مسئلہ لذت کو امور وجدانی سے جدا نہیں کیا جا سکتا جس وقت کوئی انسان کسی چیز سے لذت حاصل کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا باطن اندر سے اس چیز تک پہنچنا چاہتا ہے اس لئے وہ اس تک پہنچا ہے۔ جس جس کمال تک پہنچنا چاہتا ہے نہیں پہنچ پاتا تو رنج محسوس کرتا ہے۔ اس لئے یورپ کے فلسفے میں کمال کو لذت سے جدا کرنا محض رواج ہے کوئی درست بات نہیں۔

ہر کمال انسان میں کسی نہ کسی قسم کی لذت پیدا کرتا ہے چاہے طالبِ کمال کو لذت کی فکر نہ ہو اور وہ کمال کی جستجو برائے کمال کر رہا ہو۔ کمال تک پہنچنا خود بخود انسان کے لئے لذت پیدا کر دیتا ہے اس منزل پر کانٹ کا نظریہ اس حد تک مخدوش ہو جاتا ہے کہ خود یورپین اس پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وجدان کے ارکان اس قدر آزاد نہیں ہیں جتنا آپ فرماتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

یہ بحث ہمارے متکلمین اور اصولیوں کی بحث احکامِ عقل اور حسن و قبح سے کس قدر قریب ہے۔ وہ کہتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ بعض احکام مطلق ہیں مثلاً عدالت جو انسان کی روح میں ایک حکم مطلق ہے اور خوب ہے اور ظلم و جور انسان کی روح میں ایک حکم مطلق ہے اور بد ہے اس کے برخلاف سچائی ہے جس کا حکم مطلق نہیں ہے بلکہ وہ اپنے فلسفے کی تابع ہے۔ کبھی راستی اور سچائی اپنے فلسفے سے ہاتھ دھو دیتی ہے اور بری ہو جاتی ہے۔

کانٹ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ آپ کہتے ہیں یہ سچائی "حکم مطلق" وجدان ہے اور وہ مصلحت کے تابع نہیں تو اگر کوئی دیوانہ ظالم ہاتھ میں چاقو لئے کسی مظلوم کے سراغ میں پھر رہا ہو کہ اگر اسے پا جائے تو جان سے مار ڈالے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مظلوم کہاں چھپا ہے۔ اگر ظالم آپ سے پوچھے تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اگر کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے تو وہ آپ سے پوچھتا ہے، کہاں ہے؟ آپ نے پتہ بتا دیا اور اس ظالم نے اس بے چارے کو جا کر ناحق قتل کر دیا۔ کیا وجدان کا حکم اس قدر مطلق اور آزاد ہے کہ وہ ایسے مقام پر بھی سچ بولنے کا حکم دیتا ہے اور اس کے نتیجے سے اصلاً کوئی سروکار نہیں رکھتا؟ یا اس مقام پر وجدان کا یہ حکم نہ ہوگا بلکہ وہ دروغِ مصلحت آمیز کا حکم دے گا؟ یہاں وجدان قطعاً کوئی ایسا حکم نہیں رکھتا۔

دروغِ مصلحت آمیز کے متعلق ہماری فقہی کتابوں میں بحث کی گئی ہے۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں "دروغِ مصلحت آمیز بہ از راست فتنہ انگیز"

سعدی نے ایک داستان بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ سعدی بیان کرتے ہیں کہ ایک مجرم شخص بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو سولی پر چڑھا دیا جائے یا اس کی گردن اڑا دی جائے۔ وہ شخص جب اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا تو گالی بکنا شروع کر دی جس کو بادشاہ نے نہیں سنا اپنے وزیر سے پوچھا کہ یہ شخص کیا کہتا ہے؟ وزیر نے جواب دیا کہ کہتا ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

الْمُحْسِنِيْنَ﴿۱۳۴﴾[1]

اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔

وہاں ایک دوسرا شخص بھی موجود تھا جو وزیر کی کمزوری کی تلاش میں تھا تا کہ اسے معزول کرا کے خود اس کی جگہ وزیر بن جائے وہ بول اٹھا کہ بادشاہ کے حضور میں ہم ایسے لوگوں کو جھوٹ نہیں بولنا چاہئے اس نے وزیر کی طرف رخ کر کے کہا وہ بادشاہ کو گالیاں دے رہا ہے اور تو کہتا ہے کہ قرآن کی آیت پڑھ رہا ہے بادشاہ نے اس کی طرف پلٹ کر کہا اس کا جھوٹ تمہارے سچ سے بہتر ہے۔

شیخ سعدی نے ایک حقیقت کو بیان کرنے کے لئے اس داستان کو وضع کیا ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ مصلحت آمیز جھوٹ فتنہ انگیز سچ سے بہتر ہے۔ اس داستان میں سعدی نے یہ بتایا ہے کہ وزیر نے ایک جھوٹ سے ایک شخص کی جان بچا لی مگر دوسرا شخص اپنی سچی بات سے ایک انسان کی جان کو مزید معرض خطر میں ڈال رہا تھا۔

ہاں ''دروغ مصلحت آمیز'' اور ''دروغ منفعت خیز'' کے درمیان اشتباہ نہیں ہونا چاہئے بہت سے لوگ منفعت خیز جھوٹ کو ہی مصلحت آمیز جھوٹ سمجھتے ہیں۔ یہ غلطی ہے ''دروغ مصلحت آمیز'' یعنی وہ جھوٹ جو اپنے فلسفے سے دستبردار ہو کر راست گوئی کا فلسفہ پیدا کر لے دوسرے لفظوں میں ایسا جھوٹ جس کے ذریعہ انسان کسی حقیقت کو بچا لے مگر منفعت خیز جھوٹ یعنی ایسا جھوٹ جسے انسان خود اپنے فائدے کے لئے بولتا ہے مصلحت اور منفعت دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ ان دونوں کو باہم ملانا نہیں چاہئے ''مصلحت'' کا مدار حقیقت پر ہوتا ہے مصلحت اور حقیقت دونوں برابر ہیں نہ مصلحت حقیقت سے جدا ہو سکتی ہے اور نہ حقیقت مصلحت سے۔

''مصلحت'' یعنی حقیقت کی رعایت کرنا، حقیقت کو ملحوظ رکھنا اور منفعت یعنی اپنے فائدے کو پیش نظر رکھنا، بعض افراد ایسے ہیں جو اپنی منفعت کے لئے جھوٹ بولتے ہیں اور

[1] سورۂ آلِ عمران: ۱۳۴

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھوٹ کیوں بولتے ہیں؟ تو جواب دیتے ہیں یہ مصلحتی جھوٹ ہے۔ نہیں نہیں یہ مصلحت نہیں بلکہ یہ جھوٹ بھی دوسرے جھوٹ کی طرح ہے۔

بہت سے زرتشتیوں نے سعدی کو اس مسئلہ میں برا سمجھا ہے اور کہتے ہیں کہ سعدی نے یہ ایک بری بات سکھائی ہے یہ ''بد آموزی'' ہے۔ ہمارے افاضل میں سے ایک صاحب نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ انگلینڈ میں اور پھر جب ہندوستان انگریزوں کے زیرِ اقتدار و زیر استعمار آ گیا اور انگریزوں کی نگرانی میں مدارس قائم ہونے لگے تو ہندوستان میں بھی یہ کہا جانے لگا کہ سعدی کی کتابیں مت پڑھاؤ اس لئے کہ وہ بد آموز ہیں انھوں نے بری بات کی تعلیم دی ہے اور کہا ہے کہ مصلحت آمیز جھوٹ فتنہ انگیز سچ سے بہتر ہے۔ سعدی بچوں کو بچپن سے ہی دروغ گوئی کا عادی بنا رہے ہیں۔ ہندستانیوں کے لئے انگریزوں کے دل میں اس قدر درد اور دلسوزی پائی جاتی ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچوں کی تربیت ایسی ہو اور یہ بچے ایسے راست باز اور راست گو بنیں کہ مصلحت آمیز جھوٹ بھی نہ بولیں۔

مگر تاڑنے والے بہت جلد یہ سمجھ گئے کہ مدرسوں میں سعدی کی کتابیں پڑھانے کی ممانعت اس لئے نہیں کی جا رہی ہے کہ سعدی بد آموز ہیں اور انہوں نے برائی کی تعلیم دی ہے، بلکہ پابندی اور ممانعت اس لئے ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب گلستان کے دیباچہ میں کہا ہے

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب	گبرو ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم	تو کہ با دشمناں نظر داری

(گبرو ترسا: زرتشتی اور عیسائی)

تو دوستوں کو کہاں محروم کرے گا جب کہ تو اپنے دشمنوں پر نظر کرم رکھتا ہے۔

یہ شعر ابتداء ہی سے بچوں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیتا ہے کہ زرتشتی اور عیسائی خدا کے دشمن ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

دوسری طرف انگریز سامرجیوں کا وہ گروہ تھا جو کانٹ کے نظریئے کے پابند تھے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمیشہ سچ بولنا چاہئے اور جھوٹ ہرگز نہیں بولنا چاہئے۔ان لوگوں نے سعدی کی بیان کردہ داستان کے نتیجے پر غور کئے بغیر ان کی کتابیں پڑھانے پر پابندی لگادی اس لئے کہ سعدی مصلحت آمیز جھوٹ بولنے کی اجازت دیتے ہیں۔

جو شخص سچ اور جھوٹ کا تجربہ رکھتا ہوگا وہ ہرگز ایسی بات نہیں کہے گا کیونکہ ایک سچ بولنے والا انسان ہی یہ سمجھتا ہے کہ ایک وقت میں سچائی بھی اپنا فلسفہ کھو دیتی ہے اور ایک وقت میں جھوٹ بھی اپنا مفسدہ کھو دیتا ہے۔فقہ اسلامی میں بھی جھوٹ اور غیبت کے مستثنیٰ مقامات ہیں اور یہی حق بھی ہے۔

مثل مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی مرغ فروش سے بہت سستے دام میں ایک مرغ خریدا۔مرغ بہت اچھا تھا اور اس نے جتنے میں خریدا تھا اس سے زیادہ قیمت کا تھا۔وہ شخص اس کو اپنے گھر لے گیا اور جیسے ہی گھر میں داخل ہوا اس کی بیوی نے پوچھا کیا لائے ہو؟ اس نے کہا مرغا، یہ سنتے ہی جھٹ بیوی نے اپنی صورت چھپالی اور بولی کیا کوئی باغیرت آدمی مرغا اپنے گھر میں لاتا ہے؟ میں ہرگز ایسے گھر میں رہنے کے لئے تیار نہیں ہوں جس میں کوئی نر موجود ہو یا تو اس کے گھر سے باہر کرو پھر میں پردے سے باہر آؤں گی۔اس آدمی نے کہا کوئی حرج نہیں مرغا کوئی انسان تو نہیں ہے۔بیوی نے کہا نہیں باغیرت آدمی مرغا بھی اپنے گھر میں نہیں رکھتا۔وہ آدمی بہت خوش ہوا کہ الحمدللہ میری بیوی کتنی پاک دامن ہے اور مرغا دکاندار کو واپس کرنے لے گیا۔جا کر دکاندار سے کہا کہ ممکن ہو تو مرغا لے کر مجھے پیسے واپس کردو۔دکاندار نے کہا کیوں؟ یہ مرغا تو زیادہ قیمت کا ہے مگر میں نے تم سے کم پیسے لئے ہیں تم مطمئن رہو میں تم سے جھوٹ نہیں بولتا واقعاً اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے۔اس آدمی نے کہا میں مرغا نہیں چاہتا، دکاندار نے پوچھا کیوں؟ اس آدمی نے کہا تم کو اس سے کیا مطلب؟ دکاندار نے کہا جب تک وجہ نہ بتاؤ گے میں واپس نہیں لونگا۔اس شخص نے کہا پیسے تھوڑے کم کردو مگر یہ مرغا واپس لے لو۔دکاندار نے کہا نہیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جب تک وجہ نہ بتاؤ گے واپس نہیں لوں گا۔

مجبوراً اس شخص نے کہا کہ حقیقت یہ ہے کہ میری بیوی بہت باعصمت اور پاک دامن ہے یہاں تک کہ وہ ایک مرغے کو بھی گھر میں رکھنے پر تیار نہیں ہے، دکاندار نے یہ سنتے ہی مرغا لے لیا اور پیسے واپس کرتے ہوئے اس آدمی سے کہا کہ یقین رکھو کہ تمہاری بیوی بدکار ہے اگر وہ باعصمت اور پاکدامن ہوتی ہرگز ایسی بات نہ کرتی۔ ایسی بات تو وہی عورت کہے گی جو بالکل ہی عفت نہ رکھتی ہوگی۔ پاک دامن عورت کبھی مرغے کی طرف رخ نہیں کرتی اس نے تم سے جھوٹ کہا ہے۔

اسلام اگر دروغِ مصلحت آمیز کو جائز کہتا ہے تو وہ یہاں ایک دوسرا نکتہ بھی رکھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کی روح جھوٹ بولنے کی عادی نہ ہوجائے اس لئے وہ اپنے ذہن میں بھی جھوٹ کو راہ نہ دے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت امیر المومنین روایت کرتے ہیں

لایستقیم ایمان عبدٍ حتیٰ یستقیم قلبه ولا سیتقیم قلبه حتی یستقیم لسانه[1]

کسی بندے کا ایمان راست اور درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا دل سیدھا نہ ہو اور اس کا دل سیدھا نہیں ہوسکتا جب تک اس کی زبان سیدھی نہ ہو۔

یعنی انسان کے ذہن میں تصور دوسری چیز کا ہو اور زبان پر لائے کوئی دوسری چیز مثلاً کسی سے کوئی پوچھے کہ فلاں شخص کو دیکھا ہے وہ جواب دے "نہیں"، مگر "نہیں سے مراد اس کی کوئی دوسری چیز ہو۔ ذہن کو براہِ راست کسی جھوٹ کی طرف متوجہ نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ اس طرح روح جھوٹ بولنے کی عادی ہوجاتی ہے فقہ اسلامی میں اس کا نام "توریہ" ہے اس کے لئے احکامات ہیں مگر بعض افراد ہمیشہ بنام "توریہ" جھوٹ بولتے رہتے ہیں یہ

---

[1] نہج البلاغہ فیض ۵۷۱ خطبہ ۱۷۵

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

صحیح نہیں ہے لیکن ہمیں ایسے لوگوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

اخلاق میں حسن وزیبائی کا نظریہ

ایک گروہ ''اخلاق'' کو مقولۂ جمال وزیبائی سے سمجھتا ہے، ممکن ہے بعض لوگ یہ خیال کریں کہ اگر یہ ہم جان بھی لیں کہ ''اخلاق'' کس مقولے سے ہے تو یہ جان لینا سماج کے لئے عملی اور تربیتی لحاظ سے کوئی فائدہ نہیں رکھتا بلکہ جو چیز لازم اور مفید ہے وہ یہ ہے کہ لوگ عملاً اخلاق فاضلہ سے آراستہ وپیراستہ ہوں اور یہ بحثیں تو فقط علمی بحثوں کا ایک سلسلہ ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ ان بحثوں کی مثال تو ایسی ہے کہ ایک شخص سے سوال کیا گیا یہ ''قورمہ'' غین سے ہے یا قاف سے تو اس نے کہا کہ نہ غین سے ہے نہ قاف سے بلکہ گوشت سے ہے اور روغن سے! مگر نہیں یہ بحثیں ایسی نہیں ہیں ''اخلاق'' کس مقولے سے ہے؟ ایک ہی مقولے سے ہے یا چند مقولوں سے؟ یہ معلوم کر لینا معاشرہ کے تکمیل اخلاق کے لئے بے حد مؤثر ہے اس سے ہمیں معلوم ہوگا یہ اخلاق کی ابتداء کہاں سے کریں کیونکہ ایک گروہ جس کا طرزِ فکر ہندوستانی اور مسیحی ہے اس کا کہنا ہے کہ معاشرہ میں اخلاق کو رواج دینے کے لئے معاشرہ میں محبت کا احساس زیادہ پیدا کر دینا چاہئے۔ ایسا کام کرنا چاہئے جس سے لوگوں کے دلوں سے کدورت اور نفرت دور ہو۔ دوسرا گروہ ہے جو ''اخلاق'' کو مقولہ علم سے سمجھتا ہے مثلاً سقراط وغیرہ کا کہنا ہے کہ معاشرہ میں اخلاق پیدا کرنے کے لئے لوگوں کو تعلیم دے کر عالم ودانا بنانا چاہئے جب لوگ علم سے آشنا ہوں گے تو یہی علم ان کے لئے اخلاق اور یہی اخلاق تعلیم ان کے لئے عین تربیت ہوگی۔ ارسطو کا کہنا ہے کہ صرف تعلیم ہی سے مقصد پورا نہیں ہوگا بلکہ ارادہ کو بھی تقویت پہنچانی چاہئے۔ دوسرا کوئی تجویز پیش کرتا ہے جو اعتقاد رکھتے ہیں کہ اخلاق کا کامل دارومدار انسان کے فطری وجدان پر ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ وجدان کی آواز کو اچھی طرح سننا چاہئے اور دوسری مخالف آواز کو خاموش کر دینا چاہئے اس لئے کہ ہر انسان کے اندر ایک مقدس اخلاقی آواز موجود ہے جو اسے اچھے کاموں امانت داری، ایثار اور عدل وانصاف کا حکم دیتی ہے اور برے کاموں سے روکتی ہے جب تک دوسری

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں تو انسان اپنے وجدان کی آواز نہیں سن پاتا مثلاً کسی جگہ ایک واعظ ہمارے سامنے خدا کی باتیں بیان کرے تو فضا کو خاموش ہونا چاہئے ورنہ اس کا بیان سمجھ میں نہیں آئے گا اور یہی دیکھنے کا بھی حال ہے اگر ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں یا چلتے وقت اپنے سامنے دیکھتے ہیں تو یہ ضروری ہوتا ہے کہ غبار اور تاریکی نہ ہو اگر تاریکی ہوگی یا گرد و غبار ہوگا تو ہم نہیں دیکھ سکیں گے۔ بقول سعدی

حقیقت سرائے است آراستہ	ہوی و ہوس گرد برخاستہ
نبینی کہ ہر جا کہ برخاست گرد	نبیند نظر، گرچہ بینا است مرد
تو راتا دھن باشد اس حرص باز	نیاید بہ گوش دل از غیب راز

یعنی حقیقت ایک آراستہ و پیراستہ سرائے ہے جس پر ہوا و ہوس کی گرد پڑ گئی ہے جہاں گرد پڑ جاتی ہے وہاں تو کچھ نہیں دیکھتا وہاں نظر نہیں دیکھتی اگر چہ آدمی بینا ہی کیوں نہ ہو۔ اگر تیرے حلق تک حرص اور لالچ بھری ہو تو تمہارے دل کے کانوں تک کوئی راز کی آواز نہیں آسکتی۔

جس گروہ کا خیال یہ ہے کہ اخلاق کا تعلق مقولہ حسن سے ہے اس کا کہنا ہے کہ لوگوں میں احساسِ حسن کو زیادہ پروان چڑھانا چاہئے۔ انسان اگر اخلاقِ کریمانہ کے حسن و جمال اور مکارم اخلاق کی خوبیوں کا احساس کر لے تو جھوٹ نہ بولے خیانت نہ کرے۔ بعض افراد جھوٹ بولتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے سچائی کی زیبائی وخوبی کو محسوس نہیں کیا ہے، جو شخص خیانت کرتا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے امانت کے حسن وخوبی کا ادراک نہیں کیا ہے۔ اس لئے ذوق حسن وزیبائی کی پرورش کرنی چاہئے تا کہ لوگ محسوساتی حسن وزیبائی کے ذریعہ معقولاتی ومعنوی زیبائی کا بھی ادراک کر سکیں۔ یہ بحثیں علمی شان رکھتی ہیں اور ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ جب تک ان بحثوں کو شرح و بسط کے ساتھ بیان نہ کریں گے اس وقت تک ہم اپنے اسلام کے اخلاقی مکتب سے آشنا نہیں ہو سکتے جس کا جاننا خود علمی نتیجہ کا حامل ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حسن وزیبائی کیا ہے؟

حسن و جمال اور زیبائی کی کیونکر تعریف کی جاسکتی ہے؟ اہل منطق کی اصطلاح میں زیبائی کا فعل اور اس کی جنس کیا ہے؟ کس ''مقولہ'' میں داخل ہے؟ مقولہ ''کم'' میں یا مقولہ ''کیف'' میں مقولۂ ''اضافت'' میں یا مقولہ ''انفعال'' میں؟ ''جوہر'' کا جز ہے یا ''عرض'' فارمولے اور ماہیت کے اعتبار سے زیبائی کس چیز سے بنائی جاتی ہے؟ کیا حسن وزیبائی کے لئے بھی کوئی فارمولہ معین کیا جاسکتا ہے جس طرح مادی چیزوں کے لئے ''کیمیا'' میں فارمولے معین کئے جاتے ؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا اب تک کسی نے جواب نہیں دیا ہے بعض لوگوں کے خیال کے مطابق ان سوالات کا اصلاً کوئی جواب نہیں ہے حقائق عالم کے درمیان بلند ترین حقیقت وہ ہے جس کے بارے میں سوال کرنا ہی صحیح نہیں ہے اس اعتبار سے زیبائی کی تعریف ہی نہیں کی جاسکتی کہ وہ کیا ہے۔ مثلاً علماء کہتے ہیں کہ فصاحت و بلاغت کی جو مقولۂ حسن سے ہے حقیقی تعریف ہی نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ فصاحت و بلاغت ایسی چیزیں ہیں کہ ''ممّا یدرك ولا یوصف'' جن کو درک ومحسوس تو کیا جاسکتا ہے مگر ان کی تعریف وتوصیف نہیں کی جاسکتی۔ ہم دنیا میں بہت سی ایسی چیزیں رکھتے ہیں جن کا ادراک و احساس تو ہوتا ہے مگر ان کی تعریف وتوصیف نہیں کی جاسکتی اس طرح حسن وزیبائی بھی ہے۔

افلاطون نے حسن وزیبائی کی ایسی تعریف کی ہے کہ اولاً تو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہ تعریف درست ہے، دوسرے یہ کہ اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ تعریف کامل تعریف نہیں ہے۔ افلاطون نے کہا ہے کہ ''زیبائی'' سے مراد تمام اجزاء کے درمیان کل سے ہم آہنگی ہے۔ ہمارے پاس کسی چیز کا مجموعہ ہو تو اگر اس کے تمام اجزاء معین اور خاص تناسب سے رکھتے ہوں تو وہ خوشنما ہے جیسے ایک عمارت جس کے در و دیوار ستون، چھت غرض سب چیزیں ایک خاص اسلوب اور تناسب سے بنائی گئی ہوں۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اس تعریف کو صحیح مان لیں تو خود ''تناسب'' ایک خاص نسبت کا نام ہے اور یہ نسبتِ خاص خوبصورتی اور زیبائی میں نہیں بیان کی جاسکتی کہ کیا ہے، جیسے پانی میں آکسیجن اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہا ہیڈروجن دونوں کی معین مقدار بتائی جا سکتی ہے مگر زیبائی میں مقدار اور نسبت کا تعین نہیں ہوسکتا جس طرح سے بجلی کی تعریف نہیں ہوسکتی مگر شک نہیں کہ اس کا وجود ہے۔

زیبائی ''مطلق'' ہے یا ''نسبتی''

یہاں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زیبائی مطلق ہے یا نسبتی؟ کیا زیبائی واقعاً کوئی حقیقت ہے جس کا وجود ہے؟ یا یہ ادراک کرنے والے اور ادراک ہونے والی چیز کے درمیان ایک پوشیدہ رابطہ ہے مثلاً ہم ایک انسان کو دیکھتے ہیں کہ اس کی نظر میں اس کا معشوق غیر معمولی حسین وخوبصورت ہے مگر وہ دوسرے کی نظر میں حسین نہیں معلوم ہوتا۔ لیلیٰ ومجنوں کی داستان بھی ایسی ہے۔ لیلیٰ کی تعریف میں مجنوں نے ایسے اشعار کہے تھے جن کو سن کر خلیفہ ہارون رشید نے یہ خیال کیا کہ یہ کوئی ایسی لڑکی ہوگی جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہ ہو گی مگر جب لوگ بدوی اور وحشی لیلیٰ کو صحرا سے پکڑ کر لائے تو ہارون رشید نے دیکھا کہ لیلیٰ سیاہ وسوختہ ایک معمولی عورت ہے جو بالکل قابلِ توجہ نہیں ہے۔

بہ مجنوں گفت روزے عیب جوئی	کہ پیدا کن بہ از لیلیٰ نکوئی
کہ لیلیٰ گرچہ درچشمِ تو حور است	بہ ہر عضو ز اعضایش قصوری است
زحرف عیب جو مجنوں بر آشفت	درآں آشفتگی خنداں شد و گفت
تو موبینی و من پیچش مو	تو ابرو، من اشارت ہائے ابرو
اگر بہ دیدۂ مجنوں نشینی	بغیر از خوبی لیلیٰ نہ بینی

ایک عیب جو نے ایک روز مجنوں سے کہا کہ لیلیٰ سے بہتر کوئی نیک رو پیدا کرو لیلیٰ اگرچہ تیری نظر میں حور ہے مگر اس کے ہر ہر عضو میں نقص اور عیب پایا جاتا ہے۔

لیلیٰ کے عیوب بیان کرنے والے شخص کی یہ باتیں سن کر مجنوں بہت برہم ہوا اور اسی برہمی اور آشفتگی کے عالم میں ایک مرتبہ ہنسا اور کہا کہ تو بال دیکھتا ہے اور میں اس کا پیچ وخم دیکھتا ہوں۔ تو ابرو دیکھتا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے میں اس کے ابرو کے اشاروں کو۔ اگر تو مجنوں کی آنکھ سے دیکھے تو
لیلیٰ کی خوبی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھے گا۔

یہ داستان حسن و زیبائی میں ''نسبیت'' کو بیان کرتی ہے اور ان لوگوں کے بر خلاف ہے جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ ''حسن'' عشق پیدا کرتا ہے اور عشق ''حسن'' یہ خیال بھی افراط کا حامل ہے۔ کیونکہ خارج میں حسن کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ہم کو یہ تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حسن و زیبائی ایک حقیقت مطلق ہے یا نسبی! مگر اتنا تو مسلم ہے کہ خارج میں ''حسن و زیبائی'' نام کی کوئی چیز وجود رکھتی ہے خواہ انسان ادراک کرے خواہ نہ کرے۔ اس کی بہت سی مثالیں دنیا میں موجود ہیں۔ مثلاً کوہ دماوند کی چوٹی ایران کی بلندترین چوٹی ہے چاہے دنیا میں کوئی ایسا انسان ہو جو بذات خود اس کا ادراک کرتا ہو یا نہ کرتا ہو مگر کوہِ دماوند حسن و حقیقت رکھتا ہے اور یہ حسن و زیبائی اس سے جدا نہیں ہو سکتی۔

جاذبۂ زیبائی

تیسرا نکتہ جو اس بحث کے لئے بعنوان مقدمہ بیان کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ حسن و جمال جاذبۂ عشق و طلب اور حرکت و ستائش کے ساتھ قوام ہے جہاں زیبائی ہوتی ہے وہاں ایک قوت جاذبہ بھی ہوتی ہے جہاں حسن و جمال ہوتا ہے وہاں عشق و طلب کا بھی وجود ہوتا ہے۔ خود زیبائی اور حسن و جمال ہی حرکت و جنبش ہے۔ فلاسفہ الٰہی کے عقیدے کے مطابق وہ تمام حرکات جو اس عالم میں پائی جاتی ہیں وہ عشق ہی کی پیدا کردہ ہیں یہاں تک کہ حرکت جوہریہ بھی جس نے اس عالم طبیعت کے تمام قافلے کو ایک وجودِ واحد کی صورت میں متحرک کر رکھا ہے اسی عشق کا نتیجہ ہے۔ اس مسئلہ میں بہت بحثیں ہوئی ہیں ''کشش'' کے متعلق وحشی بافقی اشعار ہیں وہ کہتا ہے عالم کے تمام ذرات میں ''کشش'' اور جاذبہ پایا جاتا ہے پھر کہتا ہے فلاسفہ اس کو عشق کہتے ہیں۔

''حسن'' ایک انسان کے حسن میں منحصر نہیں ہے وہ بھی ایسا حسن جس کا دو جنس مخالف آپس میں ادراک کرتے ہیں۔ نہیں! بلکہ ''طبیعت'' میں ہزاروں قسم کی زیبائی پائی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جاتی ہے۔ جمادات بناتات، حیوانات، انسانوں، دریاؤں اور پھولوں میں نہ معلوم کس قدر گونا گوں حسن پایا جاتا ہے بعض افراد شاید پھول میں فقط خوشبو ہی محسوس کرتے ہیں لیکن وہ لوگ جن کی آنکھیں زیبائی کو درک کرتی ہیں اسی پھول میں خوشبو سے زیادہ اس کے حسن کو دیکھتے ہیں وہ پھول کی خوشبو سے زیادہ اس کے حسن کی تعریف کرتے ہیں۔ حسن و جمال اور زیبائی کی ہزاروں قسمیں اس عالم طبیعت میں پائی جاتی ہیں۔ پھولوں کا حسن، درختوں کا حسن، جنگلوں کا حسن، پہاڑوں کا حسن، انسان کے بالائے سرآسمان کا حسن، سپیدۂ صبح کا حسن، طلوع آفتاب کا حسن، غروب آفتاب کا حسن، شفق کا حسن، حسن صرف اسی حسن میں منحصر نہیں ہے جو انسان کے جنسی میلان سے سروکار رکھتا ہے وہ شخص جو حسن و زیبائی کو فقط جنسی میلان میں محدود سمجھتا ہے اس نے درحقیقت حسن و زیبائی کو محسوس ہی نہیں کیا ہے۔ ہم نے اوپر جن چیزوں کے حسن و جمال کی طرف اشارہ کیا ہے ان کا تعلق قوت باصرہ سے ہے۔ وقت سامعہ بھی ایک قسم کے حسن کا احساس و ادراک کرتی ہے۔ حسن و زیبائی کا ایک سلسلہ ہے جسے قوت لامسہ بھی درک کرتی ہے۔ درحقیقت ہر احساسِ حسن میں وہی احساس ہی خوبی اور حسن ہے۔ آنکھ میں خوبی آنکھ کا حسن ہے۔ کان میں خوبی کان کا حسن ہے۔ لامسہ میں خوبی لامسہ کا حسن ہے۔ ذائقہ میں خوبی ذائقہ کا حسن ہے۔ شامہ میں خوبی شامہ کا حسن ہے یہ سب محسوس حسن و خوبیاں ہیں تو لوگ اسے بالاتفاق قریب سے محسوس کر لیتے ہیں مگر حسن و زیبائی کا ایک سلسلہ غیر محسوس اور معنوی بھی ہے۔ جس کا نمونہ وہ حسن اور وہ خوبیاں ہیں جو انسان کی قوت مخیلہ سے مربوط ہیں یعنی جو انسان کو ذہنی صورت سے محسوس ہوتی ہیں۔

معنوی حسن اور خوبیاں

معنوی حسن و جمال اور خوبی مثلاً ایک کلام میں جو فصاحت و بلاغت پائی جاتی ہے وہ بھی انسان کو اپنی طرف جذب کرتی ہے۔ سعدی کو گزرے ہوئے صدیاں گزر گئیں۔ مگر ان کی نثر، ان کے مختصر جملے اور اشعار کی بار بار زبانوں پر تکرار ہوتی رہتی ہے اور آج بھی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جب انسان ان کو سنتا ہے تو ان میں ایک قسم کی کشش محسوس کرتا ہے تو کیا یہ الفاظ کا حسن ہے؟ نہیں تنہا الفاظ زیبا نہیں ہیں بلکہ ان الفاظ کے معنی ایسے حسین اور زیبا مرتب کئے گئے ہیں جو انسان کی روح کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ بے شک فصاحت میں خود لفظ بھی دخل رکھتا ہے۔ اسی طرح حافظ، مولوی اور دوسرے با کمال شعراء کے اشعار بھی ایسی معنوی و خیالی خوبیاں رکھتے ہیں کہ انسان انہیں سن کر خود سے بے خود ہو جاتا ہے۔

مرحوم ادیب نیشاپوری کا شمار بہت ہی نمایاں ادیبوں میں ہوتا ہے۔ میں نے خود ان کو تو نہیں دیکھا مگر تصویر دیکھی ہے مرحوم سید تھے اور حوزہ علمیہ کے قدیم آثار باقیہ میں سے تھے قیافہ بھی علمائی تھا ادبیات میں غیر معمولی اور بے نظیر صلاحیت و استعداد کے مالک تھے خود بھی کبھی کبھی شعر کہتے تھے۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ مرحوم نے فرمایا تھا کہ ایک غزل کے اشعار نے زندگی میں دو مرتبہ میرے ہوش اڑا کر مجھے بے خود بنا دیا اور وہ حافظ کی درج ذیل مشہور غزل ہے۔

زان یار دلنوازم شکری است با شکایت	گر نکتہ دان عشقی بشنو تو ایں حکایت
بے مزد بود و منت ہر خدمتے کہ کردم	یا رب مبادکس را مخدوم بے عنایت
رندان تشنہ لب را آبی نمی دھد کس	گوئی ولے شناساں رفتند از ایں ولایت
در ایں شب سیا ہم گم گشت راہ مقصود	از گوشۂ ای برون آئی اے کوکب ہدایت
از ہر طرف کہ رفتم جز و حشتم نیفزود	زنہا از این بیابان دیں راہ بے نہایت
ایں راہ را نہایت صورت کجا تواں بست	کش صد ہزار منزل بیش است در ہدایت
در زلف چوں کمندش اے دل مپیچ کانجا	سرھا بریدہ بینی بے جرم و بے جنایت
چشمت بہ غمزہ مارا خون خورد و می پسندی	جانا روا بناشد خوں ریز را حمایت
اے آفتاب خوباں می سوزد اندرونم	یکساعتم بگنجان در سایہ عنایت
ہر چند بردی آبم روی از درت نتابم	جو راز جیب خوشتر کز مدعی رعایت
عشقت رسد بفریاد گر خود بساں حافظ	قرآن زِبَر بخوانی در چہاردہ روایت

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اپنے یار دلنواز کا شکایت کے ساتھ ایک شکریہ ہے۔ اگر تو نکتہ دانِ عشق ہے تو اس حکایت کو سن میں نے بغیر مزدوری اور احسان کے ہر خدمت انجام دی۔ اے پروردگار کسی کو مخدوم بے عنایت نصیب نہ ہو۔ تشنہ لب رندوں کو کوئی پانی نہیں دے رہا ہے لیکن شناسا اور آشنا تو یہاں موجود ہی نہیں ہیں سب یہاں سے چلے گئے ہیں۔

اس اندھیری اور تاریک رات میں میری راہ مقصود گم ہوگئی ہے اے ہدایت کے ستارے کسی گوشے سے ظاہر ہو جا۔ میں جدھر سے گیا تو میری وحشت میں اضافہ ہی ہوا۔ خدا کہ پناہ اس بیابان اور اس انتہا راہ سے۔

بذات خود یہ ایک مبہم بات ہے کہ ایک قصیدے نے ایک ادیب کو اس قدر مجذوب کر دیا یہ ''ادیب'' تھے اگر کوئی ''عارف'' حافظ کے اشعار کو پڑھنا چاہے گا تو وہ اس غزل کو نہیں بلکہ کسی عارفانہ غزل کو منتخب کرے گا ایسے کم ہی لوگ ہوں گے جو عارفانہ اور عرفانی ذوق رکھتے ہوں اور حافظ کی عرفانی غزلوں سے متاثر نہ ہوں مثلاً درج ذیل غزل کو کوئی عارف پڑھے اور متاثر نہ ہو یہ ذرا مشکل ہے۔

سالہا دل طلب جام جم ازما میکرو	وآنچہ خودداشت ز بیگانہ تمنا می کرد
گوہرے کز صدف کون ومکاں بیروں بود	طلب از گمشدگان لب دریا می کرد
بیدلی درہمہ احوال خدا با او بود	نمی دیدش و از دور خدایا می کرد
مشکل خویش بر پیر مغاں بردم دوش	کو بہ تائید نظر حل معما می کرد
گفتم ایں جام جہاں بین بتو کے داد حکیم	گفت آں روز کہ ایں گنبدِ مینا می کرد
گفت آں یار کز گشت سردار بلند	جرمش آں بود کہ اسرار ہویدا می کرد

برسوں سے میرا دل مجھ سے جام جم چاہتا تھا میرے دل کے پاس ایسے وسائل تھے لیکن وہ دوسروں سے یہ تمنا کرتا تھا وہ گوہر جو کون ومکان کے صدف سے باہر تھا وہ ان کی تلاش میں تھا جو سمندر کنارے کھو گئے ہیں وہ بے دل جس کے ساتھ خدا ہر حال میں تھا وہ انہیں نہیں دیکھتا تھا اور دوسرے خدا کو پکارتا تھا میں نے ان سے پوچھا کہ یہ جامِ جہاں نما تم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کوکب ملا حکیم نے کہا انہوں نے کہا یہ اس دن دیا گیا جب جائنات کی تخلیق ہوئی انہوں نے کہا وہ دوست جس کا سردار پر ہے اس کی تقصیر یہ تھی کہ وہ کائنات کے اسرار ظاہر کرتا تھا۔

ہم دور کیوں جائیں کیا قرآن خارق عادت اور مافوق الفطرت اثر ونفوذ نہیں رکھتا؟ قرآن حسن رکھتا ہے فصاحت و بلاغت رکھتا ہے اور ایسے معانی اور مطالب کا حامل ہے جو انسان کی روح اور وجدان کی گہرائیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بقول خود قرآن ''مذکر'' ہے اور نصیحت کرنے والا ہے اور چونکہ یہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے اس لئے وہ حقائق کو اس غیر معمولی اور خارق عادت حسن وخوبی سے بیان کرتا ہے کہ لوگ حیرت واستعجاب میں غرق ہوجاتے ہیں قرآن مجید کی اس فصاحت و بلاغت نے نہ جانے کتنے لوگوں کو خوف وخشیت عطا کر کے اشکبار بنادیا خود قرآن ہی کا یہ اعلان ہے

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿١٠٩﴾ السجدۃ

اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور روتے جاتے ہیں اور خشوع بڑھتا جاتا ہے۔ [1]

یہ اس وجہ سے ہے کہ حسین وخوبصورت لباس میں ملبوس قرآن کے معانی ومطالب انسان کی معنوی حس اور معنوی جمال دوستی کو مسخر کر کے اپنے قبضہ اختیار میں لیتے ہیں۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ

اور جب اس کتاب کو سنتے ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی ہے۔ [2]

بقول حضرت زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا زمین کے چپے چپے اور آسمانوں کے

---

[1] سورۂ اسرائی: ۱۰۹

[2] سورۂ مائدہ: ۸۳

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

آفاق کو حضرت علی علیہ السلام کا دشمن بنا دینا چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کا نام دنیا میں باقی نہ رہے مگر حضرت کے نامِ نامی کا دنیا میں باقی رہنے کا ایک سبب آپ کے انتہائی حسین و جمیل ارشادات ہیں ''نہج البلاغہ'' واقعاً ''نہج البلاغہ'' ہے علی علیہ السلام کے دشمن بھی نہج البلاغہ کے ''کلمات'' یاد کرتے ہیں عرب کے کتنے فصحاء و صاحب بلاغہ ایسے ہیں جو حضرت علی علیہ السلام سے عقیدت رکھتے مگر جب ان سے سوال کیا گیا کہ اس مرتبۂ فصاحت و بلاغت پر کیسے پہنچے تو کوئی جواب دیتے ہیں سو خطبے علی علیہ السلام کے یاد کر لئے اور پھر ذہن میں جودت پیدا ہوگئی کوئی کہتا ہے ستر خطبے یاد کر لئے، کوئی کچھ تعداد بیان کرتا ہے غرض سب یہی کہتے ہیں کہ ہم نے ارشادات امیرالمومنین کے منبع فیض سے حاصل کیا ہے۔

ایک مشہور ایرانی اہل قلم جو امویوں کے آخری خلیفہ مروان کے دربار سے وابستہ تھا اور بہت ہی غیر معمولی صلاحیت و استعداد کا حامل تھا اس کے بارے میں کہا جاتا ہے

بدأت الكتابة بعبد الحميد و ختمت بابن العميد

یعنی عبدالحمید سے کتابت کی ابتداء ہوئی اور ابن عمید پر ختم ہوئی۔

عبدالحمید حضرت علی علیہ السلام کے متعلق اچھا عقیدہ نہیں رکھتا یا تو واقعاً اس کو علی علیہ السلام سے عقیدت نہ تھی یا بر بناء تقیہ ایسا تھا بہر حال اس سے لوگوں نے پوچھا کہ تو نے فن تحریر کس سے سیکھا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے ''اس شخص کے کلمات کو یاد کر کے جس کے سر کے اگلے حصے پر بال نہیں تھے یعنی حضرت علی علیہ السلام۔ دشمنوں کو بھی علی علیہ السلام کے کلام پڑھنے اور یاد کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ سید رضی نے خود نہج البلاغہ وضع کی ہے کیونکہ قابل قبول اور معتبر مؤرخ مسعودی جن کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ شیعہ تھے یا سُنی اگر شیعہ تھے بھی تو وہ اس طرح کے شیعہ نہیں تھے جیسے آج ہم لوگ ہیں بلکہ وہ اسی معنی سے شیعہ تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے یا کم سے کم دشمن علی علیہ السلام نہ تھے انہوں نے اپنی کتاب مروج الذہب میں جسے انہوں نے سید رضیؒ سے سو سال

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

قبل تحریر کیا ہے حضرت کے بہت سے کلمات کو نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ اب تک حضرت علی کے چار سو اسی (۴۸۰) خطبے لوگوں کو یاد ہیں جبکہ نہج البلاغہ میں صرف دو سو انتالیس (۲۳۹) خطبے ہیں۔یعنی سید رضی نے مسعودی کی بتائی ہوئی تعداد سے کم جمع کیا ہے غرض یہ حضرت علی علیہ السلام کی مافوق الفطرۃ فصاحت و بلاغت تھی اور آپ کے کام کا یہ غیر معمولی حسن تھا جس نے آپ کے نام کو تاریخ کے سر کا تاج بنا دیا ہے۔

آپ کے کلام کے بارے میں کہا گیا ہے **دون کلامِ الخالق و فوق کلامِ المخلوق** یعنی آپ کا کلام خالق کے بعد تمام مخلوق کے کلام سے بلند تر ہے۔

کلام کے حسن و جمال نے آپ کے کلام کو مٹنے سے محفوظ رکھا ہے یہ خود ایک غیر معمولی اور مافوق الفطرۃ عالم وسبب ہے یہ حسن و جمال اور زیبائی وخوبصورتی فکری ونظری ہے حسی نہیں ہے یعنی اس کا تعلق چشم و گوش اور ذائقہ وشامہ سے نہیں ہے بلکہ اس حسن و جمال کا تعلق صرف انسان کی فکر سے ہے ہم اس سے آگے بڑھیں تو اس سے بالاتر بھی پائیں گے اور وہ معنوی زیبائیاں ہیں۔

عقلی حسن و جمال

یعنی وہ اچھائیں اور خوبیاں جن کا ادراک فقط انسان کی عقل کرتی ہے اور جو انسان کی حسن اور قوت خیالیہ سے ایک فوقیت اور برتری رکھتی ہے اور عقلی برائیوں کے مقابلے میں ''حسن عقلی'' کہی جاتی ہیں معتزلہ اور شیعہ فقہا و متکلمین اور اہل سنت کے فقہا کا وہ گروہ جو کلامی اعتبار سے معتزلی ہے بعض امور کے حسن و قبح عقلی کے معتقد ہیں ان لوگوں کا کہنا ہے کہ انسان کے افعال بنیادی طور پر دو قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔افعال کا ایک سلسلہ ایسا ہے جو بذاتہ حسین وجمیل اور باعظمت ہوتا ہے، جذب و کشش رکھتا ہے عشق وعلاقہ اور حرکت پیدا کرتا ہے اور قابل تعریف ہوتا ہے۔

۲۔انسان کے بعض فطری اور طبیعی افعال ایسے ہوتے ہیں جو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

قابلِ تعریف اور لائق تحسین و آفرین نہیں ہوتے پہلی قسم کی مثال ایثار و فدا کاری وغیرہ ہے جو شخص سماج کی فلاح و بہبود اور نجات کے لئے اپنے کو فدا کر دیتا ہے اس کی سب تعریف و توصیف کرتے ہیں قرآن مجید پیغمبر اکرم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے،

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

تمہارے پاس تمہی میں سے ایسے پیغمبر آئے ہیں کہ ان کو تمہاری تکلیف گراں معلوم ہوتی ہے وہ تمہاری بھلائی کے بہت چاہنے والے ہیں اور مومنین پر شفقت کرنے والے مہربان ہیں۔[۱]

اس پیغمبر ﷺ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جن بدبختیوں اور مصیبتوں میں تم مبتلا ہو اور تمہیں ان کا احساس نہیں ہے وہ اس کے لئے بہت ہی شاق اور ناگوار ہیں۔

اخلاقی مکتب کا اصول یہ ہے کہ کام ایسا کرنا چاہئے کہ انسان افعال کی معنوی خوبیوں کا ادراک و احساس کر سکے۔ دوسروں سے زیادہ خود فداکاری، استقامت اور عدل و انصاف کی خوبیوں کو سمجھ سکے، صبر و تحمل اور کرم کی خوبیوں کا احساس حسی خوبیوں کی مانند کر سکے۔ اس کی فکر محدودیت کے دائرے سے نکل کر اوج و ترقی اختیار کر لے تا کہ وہ خوش اخلاقی اور نیک کرداری کی خوبی کو لمس کر سکے اور اس کے مقابل میں بدکرداری اور برائی سے نفرت کر سکے۔ ایسا کام کرنا چاہئے کہ اس کی نظر میں جھوٹ ایک بری اور گندی چیز معلوم ہو ایسا کام کرنا چاہئے کہ اس کے ذائقہ کی اصلاح ہو سکے تا کہ غیبت کرنے سے اس کو نفرت ہو جائے جن لوگوں نے اس انداز سے اپنی تربیت کی ہے واقعاً ان کا ذائقہ لوگوں کو خیانت کرنے سے تنفر رکھتا ہے۔ واقعاً ان کا ذائقہ لوگوں پر ظلم و ستم کرنے سے تنفر رکھتا ہے۔ انسان اپنے عقلی فکری اور معنوی ذائقہ کی کیونکر اصلاح کر سکتا ہے اس کا کیا راستہ ہے؟

---

[۱] سورۂ توبہ:۱۲۸

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بے شک اس کا راستہ ہے اپنی ہر فکری حس کی خوب اچھی طرح پرورش کرنا۔ ہم نے اپنی زندگی میں خود ایسے افراد کو دیکھا ہے کہ ان کا ذائقہ اس قدر شگفتہ تھا کہ انہیں صرف ذکر خدا اور یاد خدا سے ہی لذت حاصل ہوتی ہے اور انہیں کسی بھی مرغوب غذا یا جسمانی لذت میں دلچسپی نہیں ہوتی۔ اگر خدا ان سے کہے کہ میں غیبت کرنے کی وجہ سے تم پر عذاب نہیں کروں گا اور تمہاری سچائی اور راست گوئی کی وجہ سے تمہیں کوئی جزا نہیں دوں گا اور میں نے تمہارے وظائف آج سے اٹھائے ہیں تب بھی وہ کسی کی غیبت نہیں کریں گے کیونکہ ان کا ذائقہ اس منزل کو پہنچ چکا ہے کہ غیبت کرنے، تہمت باندھنے نیز ہر برے کام سے نفرت رکھتا ہے اور عدالت واحسان کے حسن و جمال کا احساس وادراک کرتا ہے۔

قرآن ایک عجیب وغریب تعبیر کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴿۹۰﴾

خداوند عالم تمہیں عدل واحسان کرنے اور قرابت داروں کے حقوق دینے کا حکم کرتا اور تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم یاد رکھو۔

یہ وہ مفہوم ہے جسے اسلامی متکلمین اوران کے بعد اسلامی فقہانے حسن و قبح عقلی کے باب میں بیان کیا ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اخلاق روح زیبا سے مربوط ہے

بنیادی طور پر''اخلاق''حسین وزیبا روح سے مربوط ہے نہ کہ کام بذات خود زیبا وحسین ہے''اخلاق''یعنی وہ منزل جہاں انسان کی روح ایک حالت پیدا کر لیتی ہے اور روح حسین وزیبا ہوجاتی ہے۔اگر کام حسین وزیبا ہے تو روح کی پیروی میں مگر ابتدائی نظر میں کام بذات خود زیبا ہے اور روح اپنی زیبائی کو اس کام سے حاصل کرتی ہے۔یہ افلاطون کا نظریہ ہے افلاطون نے اخلاق کی بنیاد عدالت پر رکھی ہے اور اخلاق کو عدالت کا اور عدالت کو زیبائی کا مساوی قرار دیا جب کہ خود ہی اس نے کہا ہے کہ عدالت قابلِ تعریف نہیں ہے اس کے باوجود اس نے عدالت کی ایک ناقص تعریف کرنے کی کوشش کی ہے اور کہا ہے کہ عدالت سے مراد ہے''کل''کے ساتھ اجزاء کی ہم آہنگی۔

افلاطون''عدالت اجتماعی''کی بھی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عدالت اجتماعی سے مراد یہ ہے کہ ہر فرد اپنی استعداد کے بقدر کام کرے اور اس کے کام کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے معاشرے کے تمام افراد کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔اگر معاشرہ ایسے افراد سے تشکیل پاتا ہے تو اس وقت اس معاشرے کے تمام اجزاء ہم آہنگ ہیں نہ کوئی زیادہ کام کرے اور نہ کوئی کم، یا کسی کے کام کا بدلہ کسی دوسرے کو دیں جو کام نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ افراد عادل نہیں ہیں اور جب افراد عادل نہیں ہیں تو معاشرہ بھی عادل نہیں اور جو معاشرہ عادل نہیں وہ حسین وزیبا نہیں اور جو معاشرہ حسین وزیبا نہیں وہ بقاودوام کے قابل نہیں۔افلاطون نے عدالت کے باب میں اس طرح کی باتیں کہی ہیں۔وہ کہتا ہے کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

''اخلاق'' یعنی انسان جو اپنے باطن میں افکار، تمایلات، خواہشات اور ارادوں کا مجموعہ ہے ''تناسب'' کی حفاظت کرتا ہے اور روحانی مشینری کو سالم اور محفوظ رکھتا ہے کیونکہ انسان کی روحانی مشینری ایک انجن کے مانند ہے جس کے تمام اجزاء کے درمیان تناسب ہونا چاہئے معاشرہ کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے وہ کہتا ہے'' وہ افراد جو تعریف کے قابل ہیں اور دوسرے لوگ ان کی حد سے زیادہ تعریف کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے روحانی عناصر کے درمیان کامل تناسب وتوازن اور ہم آہنگی کو ملحوظ رکھا ہے ان لوگوں کی روح حد درجہ حسین وجمیل ہوتی ہے اور یہی لوگ کامل انسان ہیں جب انسان روح کے اعتبار سے نہایت درجہ حسین وزیبا ہوجاتا ہے تو قہراً اس کا حسن جاذب و پر کشش ہوجاتا ہے اور اس سے عشق ومحبت پیدا ہوجاتی ہے۔حضرت علی علیہ السلام کے وجود مقدس کی ایک خصوصیت عدل و توازن اور کامل ہم آہنگی ہے جو اس ملکوتی انسان کی روح میں پائی جاتی تھی آپ ایک ایسے انسان تھے جو ہمیشہ کامل الصفات اور جامع الاضداد انسان تسلیم کئے گئے ہیں۔

صفی الدین حلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں!

جمعت فی صفاتك الاضداد	ولھذا اعزت لك الانداد

یعنی آپ کی ذاتِ والا صفات میں اضداد جمع ہوگئے تھے یہی وجہ ہے کہ پھر کوئی دوسرا آپ کی نظیر پیدا نہ ہوسکا۔ یا سید رضی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے کلام کے بارے میں کہتے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام کا کلام کئی پہلو رکھتا ہے اور ہر پہلو سے حسین و خوبصورت ہے آپ کی روح بھی ہمہ جانبہ روح ہے آج کل کی اصطلاح کے بموجب آپ کی روح کے کئی پہلو ہیں اور نہ صرف یہ کہ آپ کی روح کے کئی پہلو ہیں بلکہ ان مختلف پہلوؤں میں وہ تناسب و توازن بھی پایا جاتا ہے جو انسان کی روح سے مربوط ہوتا ہے اور انسان علی علیہ السلام کے حسن و جمال اور زیبائی کی تعریف وتوصیف نہ کر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سکنے کے باوجود آپ کے حسن و جمال کا ادراک کرسکتا ہے کیونکہ حسن و جمال کشش رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ علی علیہ السلام کے عاشق و مجذوب ہوتے ہیں۔ چودہ سو سال سے زیادہ کا زمانہ گزر چکا ہے مگر اس طولانی مدت میں کوئی قرن اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں سیکڑوں، ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں حضرت علی علیہ السلام کے عاشق و مجذوب نہ رہے ہوں علی علیہ السلام کی محبت کیوں ایمان ہے؟ ''حب علی علیہ السلام'' یعنی ایک متعادل و متوازن روح سے عشق، کمال انسانیت سے عشق، اس چیز سے عشق جس کی خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دی ہے۔ یہ شخصیت پرستی نہیں ہے حتیٰ کہ شخصیت دوستی بھی نہیں ہے بلکہ علی علیہ السلام کی محبت اس سے بالاتر ہے کیونکہ وہ شخص جو واقعاً علی علیہ السلام کو دوست رکھتا ہے وہ درحقیقت خود اپنی ہی تعریف کرتا ہے کیونکہ اس کو فخر ہوتا ہے کہ میں اس روح بزرگ کے تعادل و توازن اور کامل تناسب کو درک کررہا ہوں میں انسان کامل کے مفہوم و معنی کو سمجھ رہا ہوں۔

ہر دور اور ہر زمانے میں یہ سب تعریفیں اسی انسان کے لئے ہیں جس کو اس کے زمانے کی تاریخ نے ظاہری طور بالکل رد کرکے مظلوم بنا دیا تھا۔ اس کی تعریف وتوصیف کا آوازہ اس چودہ سو سالہ تاریخ کی گہرائیوں سے بلند ہورہا ہے۔ یہ تعریفیں صرف انہیں لوگوں کی زبان سے نہیں جن کا نام شیعہ ہے بلکہ عام مسلمان اور اہل سنت کی زبان سے نہیں بلکہ عیسائی، یہودی بلکہ ہر اس شخص کی زبان سے حضرت علی علیہ السلام کی تعریف سنی جاتی ہے جو وجدان رکھتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ یہ سب تعریفیں اس حسن و زیبائی کی ہیں جو علی علیہ السلام کے وجود مقدس میں موجود ہے۔

علامہ ابن شہرآشوب جس وقت اپنی مشہور کتاب ''مناقب'' تحریر فرمارہے تھے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تو انھوں نے یہ دعویٰ فرمایا تھا کہ میں نے مناقب لکھ رہا ہوں تو اب تک علی علیہ السلام کے فضائل ومناقب کے سلسلہ میں ایک ہزار کتابوں کا مجھے علم ہو چکا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ یہ تمام کتابیں ان کے کتب خانہ میں موجود تھیں یا نہیں مگر ان کی فہرست تو بہر حال ان کے پاس موجود تھی۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس طرح انسان فطرتاً ظاہری حسن کا عاشق ومجذوب ہو جاتا ہے اسی طرح معنوی حسن کا بھی عاشق ومتوالا ہو جاتا ہے ظاہری حسنِ یوسف علیہ السلام ہے جسے قرآن مجید نے بڑی فصاحت و بلاغت سے بیان کیا ہے درحقیقت یہ واقعہ بڑا ہی حیرت انگیز اور مدہوش کن ہے قرآن کہتا ہے:

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۡ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿٣١﴾

ان عورتوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو حیرت زدہ اور مدہوش ہو گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔[1]

حسن ظاہری کی طرح انسانِ کامل کا چہرۂ معنوی بھی انسان کو اپنے میں جذب کر لیتا ہے جیسے امام حسین علیہ السلام کا چہرۂ معنوی جن کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للحسین محبة مکنونة فی قلوب المومنین

یعنی حسین کے لئے مومنین کے دلوں میں ایک پوشیدہ اور پنہاں محبت ہے۔

یہاں لفظ ''مکنونہ'' بڑا ہی معنی خیز ہے یعنی یہ محبت مومنین کے دلوں میں ضرور موجود ہوتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ دنیا میں ایسے مومنین موجود ہوں جو اس کی طرف متوجہ نہ ہوں لیکن لاشعوری طور پر ان کے دلوں میں حسین کی محبت ضرور ہوگی۔

شاید بعض لوگ یہ خیال کرتے ہوں کہ خداوند عالم نے باہر سے کوئی محبت لا کر مومنین کے دلوں میں قہری اور جبری طور پر رکھدی ہو۔ ایسا خیال کرنا درست نہیں ہے بلکہ

---

[1] سورۂ یوسف:۳۱

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مومنین کی فطرت ہی میں حسین علیہ السلام ایسے انسانوں کی محبت اور احترام ہے اگر حضرت امام حسین علیہ السلام نہ بھی ہوتے تو آپ کی جگہ کوئی دوسرا حسین ہوتا، آپ کا کام انجام دیتا اور مومنین کے پاکیزہ دل اس کے ثناخواں ہوتے۔ اس کی محبت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور اس عورت کی مانند جو اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے گریہ کرتی ہے اس ''حسین'' پر گریہ کرتے۔

نظریۂ عبادت

اس نظریئے کے ماننے والوں کا کہنا ہے کہ اخلاقی افعال کا تعلق مقولہ ''عبادت'' سے ہے۔ حتیٰ کہ وہ شخص جو اپنے شعور میں بھی خدا کو نہیں پہچانتا اور وجودِ خدا کا اعتراف و اقرار نہیں کرتا یا وہ شعوری طور پر کسی اخلاقی فعل کو خدا کی رضا اور خوشنودی کے لئے انجام نہیں دیتا تو اس کا یہ فعل بھی ایک قسم کی لاشعوری اور ناآگاہانہ خدا پرستی ہے۔

یہ سوال ہوسکتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا پرستی ہو اور لاشعوری اور ناآگاہانہ ہو؟ ہاں! یہ ممکن ہے حتیٰ کہ ہم لاشعوری و ناآگاہانہ خدا شناسی بھی رکھتے ہیں۔ تمام لوگ اپنی فطرت کی گہرائیوں میں خدا کو پہچانتے ہیں۔ گذشتہ صدیوں میں اس حقیقت کا یقین کرنا تو ذرا مشکل تھا مگر آج کے دور میں تو یہ مسئلہ بہت آسان ہو چکا ہے کیونکہ اس زمانے میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انسان دو قسم کے شعور رکھتا ہے۔

ا۔ شعورِ ظاہری یعنی وہ شعور جس سے انسان خود آگاہ ہوتا ہے۔

۲۔ شعورِ مخفی جو شعور اور آگاہی کی ہی ایک قسم ہے مگر شعورِ ظاہری اس سے بے خبر ہوتا ہے۔

آج کل کے ماہرین نفسیات کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان کے شعور کا زیادہ حصہ وہ شعور ہے جس سے انسان غافل اور بے خبر ہوتا ہے اور کم حصہ شعور کا وہ شعور ہے جس سے انسان آگاہ ہوتا ہے اگر ہم خود اپنے باطن میں جھانک کر اپنے ضمیر کے حالات و کیفیات کی چھان بین کریں تو ہم مطالب و احساسات، معلومات و اطلاعات، خواہشات و تمایلات، بغض و حسد اور محبت و نفرت اور اس طرح کی بہت سی چیزیں پائیں گے پھر ہم خیال کریں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

گے کہ ان چیزوں کے علاوہ ہمارے ضمیر میں کسی دوسری چیز کا وجود نہیں ہے حالانکہ ہماری روح اور ضمیر کی گہرائی میں اس قدر اطلاعات و معلومات، احساسات و مدرکات اور تمایلات و خواہشات راسخ اور پنہاں ہیں کہ جن سے ہم بے خبر ہیں اور ہماری روح و جان کا زیادہ حصہ مخفی اور پوشیدہ ہوتا ہے کہتے ہیں کہ اگر ایک تربوز کو حوض میں ڈال دیا جائے تو اس کا بہت کم حصہ باہر نظر آئے گا شاید یہ نو حصہ پانی میں ہوگا اور دسواں حصہ باہر ہوگا یا اگر ایک برف کا ٹکڑا کسی حوض میں ڈال دیا جائے تو اس کا زیادہ حصہ پانی میں ڈوبا ہوگا اور تھوڑا سا حصہ پانی کے باہر ہوگا۔ اسی طرح انسان کے شعور کا جو حصہ پوشیدہ نہیں ہوتا وہ اس برف کے ٹکڑے کے مانند ہوتا ہے جو حوض کے پانی کے باہر دکھائی دیتا ہے۔ دنیا اور عالم بھی اسی طرح ہے ہم صرف عالمِ طبیعت کو دیکھتے ہیں جو قرآن کی اصطلاح میں عالم شہادت کہا جاتا ہے جب کہ اسی عالم طبیعت کے مقابلہ میں ایک دوسرے عالم کا وجود بھی ہے جس کو عالم غیب کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں عالم آپس میں وہی نسبت رکھتے ہیں جو کسی حوض میں ڈوبے ہوئے تربوز کے پانی کے اندر اور پانی کے باہر والے حصے کے درمیان ہوتی ہے۔ عالم طبیعت اپنی تمام وسعتوں کہکشانوں، ستارں اور اپنی اس وسیع و عریض فضا کے باوجود جس کی انتہا کو آج تک انسان معلوم نہیں کر سکا ''عالم غیب'' کے مقابلہ میں بمصداق حدیث ایک حلقہ کے مانند ہے جس کو کسی صحرا میں لٹکا دیا گیا ہو، مسلم ہے کہ وہ حلقہ صحرا کے مقابلہ میں بہت چھوٹا ہوگا۔

ہم لاشعوری اور نا آگاہانہ عبادت و پرستش کی بات کر رہے ہیں تو ممکن ہے یہ بات تعجب کا باعث ہو کہ عبادت ہو اور انسان نہ سمجھے؟ زندہ آدمی وکیل اور وصی نہیں چاہتا۔ میں خود جانتا ہوں کہ میں کسی کی عبادت و پرستش نہیں کرتا پھر میرے فلاں اخلاقی کام کی نسبت یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک لاشعوری اور نا آگاہانہ پرستش ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک انسان بہت سے ایسے امور انجام دیتا ہے جن میں وہ خود بھی نہیں جانتا اور اس سے اہم بات تو یہ ہے کہ انسان خود اپنی ذات ہی کو نہیں پہچانتا۔ اس نظریئے کی توضیح کے لئے ہم چند مقدمات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

۱۔سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ عبادت کیا ہے؟ عبادت کی تعریف کیجئے۔اس کی جنس وفصل اوراجزاء وعناصر کی تحلیل کیجئے۔

اگر پرستش وعبادت سے مراد افعال کا ایک سلسلہ ہے جسے عبادت کے عنوان سے انجام دیا جاتا ہے جیسے نماز، روزہ، حج، دعا صلۂ رحم وغیرہ تو یہ بالکل واضح ہے کہ نماز عبادت کی ایک قسم ہے۔نماز بھی گفتار وسخن، نیت، رکوع وسجود اور ذکر کا ایک سلسلہ ہے اسی طرح عبادت کی ایک قسم روزہ رکھنا اور امساک کرنا ہے۔لیکن اگر عبادت سے مراد کسی حقیقت کی پرستش اور عبادت ہے اور یہ اعمال یعنی نماز وروزہ وغیرہ جنہیں خداوند تعالی نے ہمارے لئے معین فرمایا ہے دراصل اسی حقیقت اور فطری تجلی کو شکل دینے اور مجسم کرنے کے لئے ہے جو ہمارے اندر وجود رکھتی ہے جسے چاہے ہم سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں اس طرف چاہے ہم توجہ رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں ہماری فطرت کی گہرائی میں ایک ''حقیقت'' کا وجود ہے تو اگر پرستش یہ ہے اور ہے بھی یہی۔تو پھر عبادت کی تعریف آسان نہیں ہے جس طرح فلاسفہ نے ''عدالت'' کی تعریف سے اظہار عجز کیا ہے یا حسن وزیبائی کی تعریف نہیں کر سکے جو ان کے بقول انسان کی طبیعت وجبلت ہے یا علم کی تعریف بیان کرنے سے عاجز رہے ہیں تو اسی طرح اس حقیقت کی تعریف سے بھی عاجز ہیں۔مثلاً اگر ہم فلاسفہ کی کتابوں میں علم کی تعریف کا سراغ لگائیں تو معلوم ہوگا کہ کئی طرح سے علم کی تعریف کی گئی ہے کوئی کہتا ہے کہ علم مقولہ کیف سے ہے دوسرا کہتا ہے مقولہ اضافت سے ہے تیسرا کہتا ہے نہیں! مقولے میں اصلاً داخل ہی نہیں ہے۔

لیکن جو نکتہ قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر ہم کسی ''حقیقت'' کا ادراک کرنا چاہتے ہیں تو یہ ضروری نہیں ہے ہم اسے جانتے ہوں۔ہاں اگر تعریف بیان کر سکتے ہوں گے تو بیان کریں گے اور اگر نہ کر سکتے ہوں گے تو بیان نہیں کریں گے جس طرح حسن وزیبائی کہ ہم اس کی تعریف بیان نہیں کر سکتے پھر بھی ہم اس کے اردگرد ایک چیز کو مشخص اور معین کرتے ہیں۔اسی طرح ہم عبادت اور پرستش میں بھی تشخیص اور تعین کرلیں گے ''عبادت''

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں توجہ اور تقدیس ایک ''حقیقت'' کی نسبت ہوتی ہے کونسی حقیقت؟ وہ حقیقت کہ جس وقت چاہیں تو اسے سبحان ربی العظیم وبحمدہ کے لفظ کے ذریعہ شکل وقالب دے سکیں۔سبحان ربی الاعلیٰ وبحمدہ۔ اللہ اکبر۔ الحمدللہ ایسے الفاظ کے ساتھ اس کی شکل وصورت بنا سکیں۔

''عبادت'' یعنی تقدیس اور کمالات کی حمد وستائش جس طرح ایک پھول کے سامنے بلبل کی تعریف وتوصیف اور نغمہ سرائی کی جو حالت ہوتی ہے۔اسی طرح انسان بھی عبادت میں اس حقیقتِ معبود کی حمد وستائش کرتا ہے''عبادت'' یعنی''خودی'' کی محدویت سے خارج ہونا، آرزوں اور تمناؤں کے مختصر سے دائرے سے باہر ہوکر کمال کی طرف پرواز کرنا اس لئے کہ ''عبادت'' میں خدا سے التجا ہوتی ہے مادیت سے انقطاع اور جدائی، استغاثہ اور معبود حقیقی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔خودخواہی وخود پرستی اور آروزؤں کے محدود دائرے سے پرواز ہوتی ہے۔تقرب کے معنی بھی یہی ہیں جب ہم نماز پڑھتے ہیں تو کہتے ہیں، نماز پڑھتا ہوں قربۃً الی اللہ تو یہ فقط اظہار وتعارف نہیں ہے بلکہ ایک واقعیت ہے۔ حالت نماز میں انسان''حق'' کی طرف پرواز کرتا ہے۔یہ تمام چیزیں عبادت میں پائی جاتی ہیں پھر ضرورت نہیں ہے ہم اپنے کو مشقت میں ڈالیں اور عبادت اور انسان کی اس خاص روحانی تجلی کی تعریف بیان کریں۔

انسان کے حالات میں شریف ترین، پرشکوہ ترین اور باعظمت ترین وہ حالتِ عبادت گزاری ہے جسے وہ اختیار کرتا ہے۔عبادت کے بارے میں بھی بالکل وہی بات کہتا ہوں جو میں نے حسن وزیبائی کے بارے میں کہی ہے کہ حسن وزیبائی کا مسئلہ صرف حیوانات کی جنسی جبلت اور سرشت سے وابستہ ہے طبیعت سے بالاتر، معانی سے بھی وابستہ ہے مثلاً فصاحت وبلاغت اور اس سے بھی بالاتر ہیں ہم دعائے سحر میں پڑھتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ مِنْ جَمَا لِكَ با جمله و كل جمالك جميل

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اے پالنے والے میں تجھ سے تیرے جمال و زیبائیت کے
سب سے حسین پہلو کے ذریعہ سوال کرتا ہوں اور تیرے جمال کا ہر
پہلو انتہائی جمیل ہے۔

خداوند تعالیٰ کی صفات کے بارے میں متکلمین نے صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ کی اصطلاح اختیار کی ہے مگر دوسرے لوگ خصوصاً عرفاء کی اصطلاح ہے صفات جمالیہ اور صفات جلالیہ عرفا ثبوتیہ کی جگہ جمالیہ اور سلبیہ کی جگہ جلالیہ استعمال کرتے ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ جمال و زیبائی کی حقیقت وہیں ہے یہاں جو کچھ ہے وہ اسی کا جلوہ ہے۔

رہی ''عبادت'' تو عبادت بھی حسن و جمال کی طرح فقط انسان ہی میں منحصر نہیں بلکہ ''عبادت'' ایک حقیقت ہے جو تمام موجودات عالم میں پائی جاتی ہے دنیا میں کوئی ایسا موجود نہیں ہے جو ''حق'' کا پرستار نہ ہو اسی طرح کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو ''حق'' کا پرستار نہ ہو چاہے لاشعوری اور نا آگاہ طور پر ہی سہی۔ تمام چیزیں خدا کی حمد وثنا کرتی ہیں۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ①

جو چیزیں آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ سب خدا کی تسبیح کرتی
ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔[۱]

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ

جو چیزیں آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ سب خدا کی تسبیح کرتی
ہیں اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لئے حمد وثنا ہے۔[۲]

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ

---

[۱] سورۂ حشر:۱

[۲] سورۂ تغابن:۱

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تَسۡبِیۡحَهُمۡ ؕ

کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے تسبیح کرتی ہے لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔[1]

قرآن کی منطق میں عبادت، انسان کی آگاہانہ عبادت میں منحصر نہیں ہے بلکہ شاید بہت سے انسانوں میں تو عبادت کی ناقص ترین قسمیں پائی جاتی ہیں وہ اگر چہ رو بقبلہ کھڑا ہو کر دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے مگر ایسی حالت میں کہ اس کی روح کہیں اور ہوتی ہے۔

گیارہ سو سالہ قدیم مشہور اسلام فلسفی فارابی کا کہنا ہے۔

صلواۃ اسماء بدور انہا والارض برجانہا والمطر بحفلانہ والماء بسیلانہ

یعنی آسمان کی نماز اس کی گردش ہے، زمین کی نماز اس کی حرکت ہے، بارش کی نماز اس کا برسنا ہے اور پانی کی نماز اس کا بہنا ہے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے لئے اہل باطن اور اہل دل کہتے ہیں کہ اگر انسان کے گوشِ دل کھل جاتے ہیں تو وہ موجودات کی تسبیح وتحمید کو سنتا اور سمجھتا ہے۔

جملہ ذرات عالم در نہاں	با تو میگویند روزان و شبان
ما سمیعیم و بصیر و باہشیم	باشما نامحرمان، خامشیم
چوں شما سوئے جمادی میروید	محرم جانِ جماداں کے شوید

یعنی باطن میں عالم کے تمام ذرات تھے سے یہ دن رات کہتے ہیں ہم سننے والے، دیکھنے والے اور ہوش رکھنے والے ہیں مگر ہم تم نامحرموں کے سامنے خاموش ہیں چونکہ تم لوگ خالق کے بجائے جمادات کی طرف جا رہے ہو تو پھر جمادات کے محرم جان کب ہو سکتے ہو؟

شعور محض انسان اور حیوان سے مخصوص نہیں ہے بلکہ گھاس اور جمادات میں بھی

[1] سورۂ الاسراء: ۴۴

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

شعور کا درجہ پایا جاتا ہے یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو آج کے علم و سائنس میں واضح ہو چکا ہے اس نظریئے کے ایسے طرف دار بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ عالم کا ہر ذرہ اپنی حد میں ایک درجۂ شعور سے بہرہ مند ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ اخلاق مقولہ عبادت سے ہے مگر ایک نا آگاہانہ عبادت تو اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا دل بحسب فطرت و جبلت اپنے خدا کو پہچانتا ہے اور اس کی مثال ایک بچے کی مانند ہے۔

ہیچو میل کودکاں بامادراں	سر میل خود نداند درلباں

ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو پیدائش کے پہلے اور دوسرے روز ہی جب کہ ابھی وہ اپنی آنکھوں کو بھی نہیں کھول سکتا اور ماں کے وجود سے قطعاً بے خبر ہوتا ہے وہ اپنے ضمیر میں ''ماں'' کی کوئی تصویر نہیں رکھتا لیکن جب وہ بھوکا ہوتا ہے تو اپنے سر کو جھکاتا ہے لبوں کو کج کرتا ہے اس کے یہ لب نا آگاہانہ طور پر ماں کے پستان کی جستجو میں ہوتے ہیں۔ البتہ یہ چیز انسانوں میں بہت ضعیف ہوتی ہے جب کہ حیوانات میں بہت قوی ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس بچے سے یہ پوچھے کہ کیا ڈھونڈتے ہو؟ تو یہ بچہ نہیں بتا سکے گا کہ اصلاً اس کے پاس فکر کرنے والا ذہن ہی نہیں ہے۔ ابھی ذہن و شکل و صورت اور نقش و نگار سے بالکل سادہ ہے اگر وہ بچہ بات کرنا چاہے بھی تو اپنے مطلب کو بیان نہیں کر سکے گا مگر نا آگاہانہ وہ کسی چیز کی طرف جا رہا ہے۔ یعنی ماں کے پستان کی جستجو میں ہے۔

حیوانات اور خصوصاً حشرات الارض میں یہ جبلتیں بہت زیادہ قوی ہوتی ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اخلاق مقولۂ عبادت سے ہے تو ان کا کہنا صحیح اور درست ہے مطلب یہ ہے کہ انسان بحسب فطرت اخلاقی افعال کے ایک سلسلہ کو اچھا اور شرافت مندانہ سمجھتا اور جانتا ہے مثلاً! خودگذشتگی (ایثار) اور قربانی کا فطرت اور عقل عملی کی منطق کے ساتھ سازگار نہیں ہے کہتے ہیں کہ اپنے منافع اور مفاد کا تحفظ کرو اس کے باوجود انسان قربانی فداکاری اور ایثار ایسے افعال بجالاتا ہے ایسے افعال میں ایک قسم شرافت اور عظمت کو نمایاں پاتا ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور احساس کرتا ہے کہ وہ ان افعال کے ذریعہ اپنے کو بلند بالا اور باعظمت بنا رہا ہے۔

اپنے رقیب کے روبرو انصاف کرنا بڑا ہی مشکل مسئلہ ہے مثلاً دو ڈاکٹر کسی مریض کو دیکھنے کے لئے ایک جگہ جمع ہوں ان دونوں ڈاکٹروں میں سے ایک صاحب تو بہت ہی مشہور و معروف ڈاکٹر ہے اور دوسرا بالکل جوان اور غیر مشہور ہے۔ ان دونوں کو یہ تسلیم ہے کہ یہاں جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اگر ہم دونوں کے اختلاف رائے کو دیکھیں گے تو یہ لوگ مشہور و معروف اور تجربہ کار ڈاکٹر کی رائے چھوڑ کر ہرگز اس جوان ڈاکٹر کی رائے کو قبول نہیں کریں گے حالانکہ ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ جو مشہور و معروف ڈاکٹر ہوتا ہے وہ خود سمجھتا ہے کہ دوسرے ڈاکٹر کی رائے اور تشخیص اس کے مقابلے میں بہتر ہے بس یہ وہ جگہ ہے جہاں وہ دوراہے پر کھڑا ہوتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا اپنی شخصیت اور شہرت کو اپنے قدموں سے کچل کر یہ کہہ دوں کہ فلاں صاحب کی تشخیص مجھ سے بہتر ہے اور میں نے جو نسخہ دیا ہے وہ غلط ہے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اسی کو انصاف کہتے ہیں یا وہ انصاف چھوڑ کر کہنے لگے کہ تم نے سمجھا نہیں جاؤ اپنا کام کرو اور اس لئے کہ مریض مرنے نہ پائے اپنے نسخے میں ممکن تبدیلی کر دیتا ہے مگر وہ ہرگز اپنی غلطی کا اقرار نہیں کرتا بلکہ اس کی الٹی سیدھی توجیہ بیان کرتا ہے۔

انسان یہ دو حالتیں رکھتا ہے اور دنیا میں اسے ان دونوں کا کتنا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے انسان فطرتاً اور نا آگاہانہ طور پر عدل و انصاف کرنے کو دوست رکھتا ہے اور اسے گرانقدر سمجھتا ہے یہ بھی اسلام اور قانونِ خداوندی ہے خدا کے قوانین دو طرح کے ہیں۔ قوانین کی ایک قسم وہ ہے جسے خداوند تعالی نے انسان کی فطرت میں رکھا ہے قوانین کی دوسری قسم وہ ہے جو انسان کی فطرت میں ثبت نہیں ہیں بلکہ وہ انبیاء الٰہی کے ذریعہ بیان کئے گئے ہیں انبیاء علیہم السلام نے ان فطری قوانین کی بھی تائید فرمائی اور ضمناً دوسرے قوانین بھی انسانوں کے لئے اپنے ہمراہ لائے۔

جس طرح انسان کی روح و فطرت کی گہرائی ایک مخصوص شامہ کے ذریعہ نا آگاہانہ طور پر خدا کو پہچانتی ہے اسی طرح وہ خدا کے قانون اور اس کی رضا و خوشنودی کو بھی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

پہچانتی ہے انسان فطرتاً خدا کی خوشنودی کی راہ میں قدم رکھتا ہے حالانکہ خود اسے توجہ نہیں ہوتی کہ وہ رضائے الٰہی کی راہ میں قدم رکھ رہا ہے۔ مثلاً ممکن ہے کہ ایک بت پرست بھی ویسے ہی افعال بجالائے جس طرح کے افعال حاتم طائی وغیرہ نے انجام دیئے ہیں۔ مشرکین اور کافرین کے بارے میں ہمارے پاس پیغمبر اسلام ﷺ اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی بہت ہی حدیثیں موجود ہیں جب ان حضرات سے سوال کیا گیا کہ کیا خداوند تعالی کے نزدیک ایسے افعال کی جزا نہیں ہے؟ تو فرمایا بلا اجر بھی نہیں ہیں البتہ یہ صحیح ہے کہ آ گاہانہ افعال کی بہترین جزا ہے لیکن جس وقت انسان اپنی اخلاقی حس پر لبیک کہتا ہے تو یہ اخلاقی حس بھی خدا شناسی سے جدا نہیں ہے۔ فطری طور پر انسان جانتا ہے کہ عفو و درگزر رضائے معبود کا مقام ہے اسے یہ فطرتاً معلوم ہے کہ خلق خدا کی خدمت اور اس کے لئے ایثار و فداکاری خدا کی خوشنودی کا مقام ہے وہ فطری طور پر سمجھتا ہے کہ انصاف کرنا معبود کی رضا کا سبب ہے۔

وہ فطری طور پر جانتا ہے کہ ذلت وخواری قبول نہ کرنے سے معبود خوش ہوتا ہے اس لئے وہ جو کہتا ہے کہ اخلاق کی جڑ وجدان میں ہے تو اس کا کہنا درست بھی ہے اور درست نہیں بھی ہے۔ درست تو اس معنی سے ہے کہ ایسا کہنے والے کا یہ خیال ہے کہ ''وجدان'' خدا شناسی کی ایک مستقل حس ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ ہمارے وظیفے اور فریضے کو معین کرلے، اور وہ خود ہی ہمارے لئے تکلیف اور فریضہ معین بھی کرتا ہے ہمیں اس کے فریضے کو پہچاننا چاہئے کانٹ کے بیان میں صرف یہی ایک عیب پایا جاتا ہے کہ وہ انسان کے وجدان کا بحیثیت ایک مستقل حس اور فریضہ معین کرنے والے کے تعارف کرانا چاہتا ہے جب کہ ایسا نہیں ہے انسان کا وجدان فریضے کو ادراک کرتا ہے اسی طرح جس طرح فریضہ معین کرنے والے (خالق) کو پہچانتا ہے یہ سب کے سب وجدانی الہامات فطرت خدا شناسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے

وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰىهَا ۝۸ قَدۡ
اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۝۹ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ۝۱۰

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اور نفسِ (انسان) کی قسم اور اس کی جس نے اس کے اعضاء کو
برابر کیا پھر اس کو بدکاری اور پرہیزگاری کی سمجھ دی۔ [۱]

فجور حکم خداوندی سے خارج ہونا اور تقویٰ اللہ کی راہ پر پرہیزگاری کا نام ہے انسان کا وجدان تمام علت ہست و بود اور اس کی گہرائی سے اتصال رکھتا ہے انسان کو وظیفہ نے کہیں اور سے اپنی گرفت میں لیا ہے اور انسان کے سپرد کیا ہے۔ یہ شامۂ دل ہے جو خدا اور خدا کے فریضہ و تکلیف کو پہچانتا ہے دل کے ان الہامات کو اسلامِ فطری کہتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

اور ہم نے ان کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں
اور ہم نے ان کو نیک کام کرنے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی
اور وہ ہماری عبادت کرتے ہیں۔ [۲]

استاد بزرگوار علامہ طباطبائی نے تفسیر المیز ان مین استنباط فرمایا ہے کہ یہاں خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ اَنِ افْعَلُو الْخَيْرَاتِ (یعنی ہم نے ان پر وحی کی کہ وہ اچھے کام کریں) اگر یہ فرمایا ہوتا یہاں وہی تشریعی تکلیف اور اصطلاحی وحی مراد ہوتی بلکہ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے خود اچھے کاموں کو لوگوں کے دلوں پر الہام کیا ہے اور وحی بھیجی ہے۔

دوسرے مسائل مثلاً حسن و زیبائی اور عبادت کی طرح قرآن کی منطق و اصطلاح میں ''وحی'' صرف اس مخصوص شکل میں منحصر نہیں ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوتی ہے یہ ضرور ہے کہ یہ کامل ترین وحی کا درجہ ہے اس کے ساتھ ساتھ قرآن میں خدا

---

[۱] سورۂ الشمس: ۷ تا ۱۰

[۲] سورۂ الانبیاء: ۷۳

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

فرماتا ہے ہم ہر انسان پر بطور الہام وحی نازل کرتے ہیں نہ محض تنہا انسان پر نہیں بلکہ شہد کی مکھی پر بھی وحی نازل کرتے ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا

خداوند عالم نے شہد کی مکھی پر وحی کی تو پہاڑوں میں اپنا گھر بنا۔[1]

نہ صرف شہد کی مکھیوں اور حیوانوں پر وحی ہوتی ہے بلکہ نباتات و جمادات پر بھی وحی نازل ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا

اور خدا نے ہر آسمان پر اپنا امر وحی کیا[2]

انسان کامل پر جو وحی ہوتی ہے وہ تو ہم پر نازل نہیں ہوتی مگر بہر حال یہ بھی ''وحی'' ہے مثلاً ایک شمع بھی نور رکھتی ہے چراغ بھی نور رکھتا ہے اور آفتابِ عالمتاب بھی نور رکھتا ہے تو جو ''وحی'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی وہ تو آفتابِ عالمتاب کی مانند ہے اور جو الہام تمام افراد وانسان پر نازل ہوتا ہے ایک چراغ کی مثل ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ اخلاق کا تعلق مقولہ حسن سے ہے ان کا کہنا بھی ایک حد تک درست اور ایک حد تک درست نہیں ہے۔ درست اس لئے نہیں ہے کہ ان کا خیال ہے کہ حسن معنوی کا یہیں پر خاتمہ ہو جاتا ہے اور انسان کی روح ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ ایک سلسلۂ افعال کو مستقلاً درک کرے مثلاً حسن و زیبائی، سچائی، امانت، ایثار، عفت، شجاعت، استقامت، انصاف اور علم وغیرہ اور درست اس لئے ہے کہ چونکہ اصل زیبائی اور حقیقی حسن ذات مقدس پروردگارِ عالم ہے جس کا وہ ناآگاہانہ طور پر ادراک کرتا ہے نیز خدا کی مشیتوں اور اس کی خوشنودی کی راہ کو جو ہمارے ہی لئے راہ سعادت ہے خدا ہی کی طرح چاہتا

---

[1] سورۂ النحل: ۶۸

[2] سورۂ فصلت: ۱۲

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے اور بالفطرت اسے خدا کی طرف سے جانتے ہوئے اس کو حسن وزیبائی سمجھتا ہے۔

حسنِ عقلی دراصل حسن وقبح عقلی کی طرف پلٹتا ہے جو مقولۂ ادراک سے ہے نہ کہ مقولۂ احساس سے۔

ہم نے جو دوسرے نظریئے پیش کئے ہیں ان میں سے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ حقیقت تک رسائی کی ہے۔تمام حقیقت یہی ہے کہ اخلاق مقولۂ عبادت وپرستش سے ہے انسان جس حد تک ناآگاہانہ خدا کی عبادت کرتا ہے وہ اسی حد تک ناآگاہانہ طور پر دستورات الٰہی کی پیروی بھی کرتا ہے جب اس کا شعور ناآگاہ شعور، آگاہ میں تبدیل ہوجاتا ہے تو اس کے تمام کام اخلاقی ہوجاتے ہیں صرف معین افعال کا ایک سلسلہ ہی نہیں بلکہ اس کا کھانا پینا جاگنا سونا غرض اس کا ہر کام اخلاقی ہوجاتا ہے یعنی جس وقت انسان کا نظامِ زندگی خدا کی رضا اور اس کے فریضہ وتکلیف کی بنیاد پر قائم ہوجاتا ہے تو اس کا کھانا پینا جاگنا سونا چلنا پھرنا بات کرنا زندہ رہنا اور مرنا غرض اس کے سب کے سب افعال اخلاق اور پاکیزگی اختیار کر لیتے ہیں اس کی ہر چیز "اللہ کے لئے" ہوجاتی ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۱۶۲﴾

بے شک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب پروردگارِ عالم ہی کے لئے ہے۔[1]

اخلاق کے بارے میں نظریات کا ایک دوسرا سلسلہ بھی ہے جس کے ماننے والے انسان کی اعلیٰ ترین شرافتوں کو چھین لینا چاہتے ہیں ان کا خیال ہے کہ دراصل اخلاقی اور شرافت مندانہ افعال کا دنیا میں سرے سے وجود ہی نہیں ہے اور ایسے انسان پائے ہی نہیں جاتے جو اپنے افعال کو اپنی خصلت شرافت وقدامت کی بناء پر انجام دیتے ہوں۔

مثلاً برٹرانڈ رسل جو اخلاق کو ہوشیاری کے مقولے سے سمجھتا ہے یا مارکسی اور

[1] سورۂ انعام: ۱۶۲

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اگزیستانیسالیتی کا نظریۂ اخلاق ان نظریات پر تنقید تو ہم بعد میں کریں گے یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان لوگوں نے اخلاق کو اس کی بلندی سے نیچے گرا دیا ہے۔ وہ لوگ جو شرافتِ انسانی کے منکر ہیں آخر کار انہیں بھی مجبور ہو کر ایک منزل پر انسانیت کا اقرار کرنا پڑتا ہے حالانکہ ان کا فلسفہ کسی صورت میں بھی شرافت انسان کی تائید و توجیہ نہیں کر سکتا۔ مثلاً برتر اندر رسل جب بعض مواقع پر پہنچتا ہے تو انسانیت اور انسانی شرافت کا دم بھرنے لگتا ہے۔

اخلاق اور انسانی و اخلاقی شرافتوں کا مسئلہ مکتب خدا پرستی کے علاوہ کسی دوسرے مکتب میں تائید و توجیہ کے قابل نہیں ہے بنیادی طور پر انسان کے اندر ان شرافتوں کا وجود خود معنویت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جو انسان کو عالم معنی سے آشنا کرتا ہے اسے دین کی دنیا میں لاتا ہے اور مذہب کی دنیا کا معتقد بناتا ہے۔

یہاں ایک نکتہ ذکر کر دینے کے قابل ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ مذہب اور اخلاق یعنی اخلاقی شرافت سے جوڑ نہیں کھاتا اس لئے کہ مذہب کے معنی یہ ہے کہ انسان خدا کی عبادت کرے اور عبادت ہوتی ہے جہنم کے خوف اور جنت کی لالچ میں لہٰذا عبادت بھی انسان کے مادی مفاد ہی کی طرف پلٹتی ہے جب کہ اخلاقی کام ایک شرافت مندانہ کام ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے عبادت کے مختلف درجے اور مراتب ہیں۔ بلندترین درجہ کی عبادت وہ ہے جو ہر طرح کی حرص و ہوس اور تمام فکروں سے خالی ہو یعنی وہ عبادت جو نہ تو بہشت کی لالچ میں ہو اور نہ جہنم کے خوف سے بلکہ صرف ذاتِ حق تعالی کے لئے ہو، اس لئے کہ وہ لائق عبادت ہے۔ وہ عبادتیں جو جنت کی لالچ اور جہنم کے خوف سے کی جاتی ہیں وہ بھی عبادات ہیں مگر ان کا درجہ پست اور مرتبہ کم ہے۔ ہمیں یہ چیزیں، نہج البلاغہ اور دوسری حدیثوں میں کثرت سے ملتی ہیں۔ مثلاً نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں جو لوگ عبادت کرتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ بعض وہ لوگ ہیں جو ثواب کی لالچ میں خدا کی عبادت کرتے ہیں یہ تاجرانہ عبادت ہے۔ یہ لوگ خدا کے ساتھ تجارت کرنا چاہتے ہیں اور کچھ دے کر زیادہ لینا چاہتے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہیں۔ایک تاجر لین دین میں جب کوئی چیز دیتا ہے تو ہمیشہ اپنے سرمایہ سے زیادہ لیتا ہے یعنی کچھ فائدہ حاصل کرتا ہے لہٰذا ایسی عبادتیں ان تجارتوں کی مانند ہیں۔

۲۔ بعض لوگ خوف سے خدا کی عبادت کرتے ہیں۔یہ غلاموں کی عبادت ہے۔ غلام ہمیشہ ایسے لوگوں کے زیرِ شلاق رہتے ہیں جو انہیں تکلیف پہنچایا کرتے ہیں پس اگر غلام اپنے فریضے کو انجام نہ دیں گے تو کوڑے کھائیں گے،اس خوف سے وہ اپنے فریضے کو انجام دیتے ہیں۔

۳۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو حق تعالی کے شکر و سپاس اور اس کی محبت اور دوستی میں اس کی عبادت کرتے ہیں۔دراصل ان کی فطرت ان کے شعور آگاہ میں بھی منعکس ہوتی ہے اور ان کی خدا پرستی کی فطرت کا جیسا تقاضا ہوتا ہے اسی طرح وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں چونکہ وہ خدا کو دوست رکھتے ہیں لہٰذا اس کی عبادت و پرستش بھی کرتے ہیں۔اگر خدا نے جنت و جہنم کو پیدا نہ بھی کیا ہوتا تب بھی وہ خدا کی عبادت کرتے یہ عبادت کا بلند ترین درجہ ہے جس کا سر چشمہ مادی حرص و آز نہیں ہے۔حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں

الهی ما عبدتك خوفا من نارك ولا طمعاً فی جنتك بل وجدتك اهلا للعبادة فعبدتك

یعنی پروردگارا! میں نے تیری عبادت نہ تیرے جہنم کے خوف سے کی ہے اور نہ تیری جنت کی لالچ میں بلکہ میں نے تجھے عبادت کا اہل پایا اس لئے تیری عبادت کی۔[1]

''اهلاً للعبادة'' یہ جملہ بہت ہی پر معنی ہے تو تو ہے اور میں میں ہوں۔عالم میں سب سے زیادہ طبیعی اور فطری چیز یہ ہے کہ تو معبود ہے اور میں تیرا عبادت گزار۔

''دعا کمیل'' جس کے مضامین شروع سے آخر تک عاشقانہ عبادت پر مشتمل ہیں جب انسان اس کا مطالعہ و مشاہدہ کرتا ہے تو اس کی سمجھ میں آتا ہے کہ اپنی خودی سے خارج

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالح صفحہ ۵۱۰ حدیث ۲۳۷

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہونے کے معنی کیا ہیں، حضرت علی علیہ السلام جب انسانوں کے بارے میں گفتگو فرماتے ہیں تب بھی معمولی سے معمولی مبالغہ نہیں ہوتا پھر جب آپ اپنے خدا سے ہمکلام ہوں گے تو اس میں مبالغہ کا کہاں شائبہ ہوسکتا ہے۔

دعائے کمیل میں ہم ایسے جملوں تک پہنچتے ہیں جو ہمارے لئے قابل تصور ہی نہیں ہیں، حضرت آتشِ جہنم کے متعلق فرماتے ہیں: **وهذا مالاتقوم له السموات والارض** آسمان وزمین تاب نہیں لاسکتے۔ جہنم دنیا کی آگ جیسا نہیں ہے بلکہ اس کی آگ کے مقابلہ میں تمام آسمان بھی تاب ومقاومت نہیں رکھتے۔ جہاں یہ فراز وبلندی ہے وہیں عرض کرتے ہیں۔

فهبني يا الهي و سيدي و مولاي و ربي صبرت على
عذابك فكيف اصبر على فراقك و هبني يا الٰهي
صبرت على حر نارك فكيف اصبر عن النظر الى
كرامتك

خدایا بالفرض تیری آتش عذاب پر طاقت صبر بھی ہو تو تیری جدائی اور فراق پر کیسے صبر کروں گا اور تیری آگ کی حرارت پر صبر بھی کرلوں گا تو تیری کرامت کے چھن جانے پر کیسے صبر کرسکوں گا؟ علی علیہ السلام کو اس کی بالکل طاقت صبر نہیں ہے۔ یہ عاشقانہ عبادت ہے۔

انسان کا مقام بہت بلند وبالا ہے اور یہ صرف حضرت علی علیہ السلام ہی میں منحصر نہیں دنیا میں ایسے انسان بھی موجود ہیں جو اس بلندی تک پہنچے ہیں بقول حافظ

در ضمیر ما نمی گنجد بغیر از دوست کس	ہر دو عالم را بہ دشمن دہ کہ ما را دوست بس

ہمارے ضمیر میں دوست کے علاوہ کوئی اور نہیں سماتا دونوں عالم دشمن کو دے دو بس ہمارے لئے تو دوست ہی کافی ہے۔

انسان کی روح ایک عجیب دنیا ہے دنیاؤں میں عجیب ترین انسانی روحِ رواں کی دنیا ہے ایک لحاظ سے روح انسان ٹیپ ریکارڈ کی مانند ہے مگر ضبطِ آواز کا ایسا آلہ نہیں جس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں صرف ایک ہی کیسٹ ڈالا جا سکے بلکہ اس میں سیکڑوں کیسٹ موجود ہیں ایک مخصوص آواز ریکارڈ کی ہوئی ہے اور جو بٹن دبایا جاتا ہے اس سے ایک مخصوص آواز نکلتی ہے دوسرا دباؤ تو کسی مذہبی مقرر کی آواز نکلتی ہے، تیسرا بٹن پر ہاتھ رکھو تو کسی نغمہ سرا کی آواز نکلتی ہے۔ یہ اپنی اپنی دلچسپی ہے کہ کون کس بٹن کو دبائے۔ درحقیقت خداوند عالم نے انسان کے وجود میں گونا گوں صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں اور مُربیانِ بشر میں ہر گروہ اور ہر جرگہ انہیں صلاحیتوں کو ہاتھ لگاتا ہے مثلاً ایک وقت میں کوئی ایسی ملت دیکھنے میں آتی ہے جس کے تمام افراد ایک آواز ہو کر سیاسی حماسہ آفرینی اور قومی تعصب کی صدا بلند کرتے ہیں اس کے علاوہ ان کے یہاں کوئی دوسری بات ہی نہیں ہوتی۔ دوسری قوم ہے تو وہ صرف زہد وریاضت کا دم بھر رہی ہے کوئی تیسری قوم ہے تو وہ کوئی اور راگ الاپ رہی ہے غرض ہر ملت و جماعت الگ الگ صدا بلند کر رہی ہے جب کہ ہر فرد کے وجود میں یہ تمام صلاحیتیں پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک یا دو صلاحیتوں کو تو زندہ کر رکھا ہے اور وہی اس کی حرکت اور تکلم کے سبب بنے ہیں اور بقیہ صلاحیتیں بے کار اور خاموش ہیں۔ اخلاقی مکاتب میں سے ہر مکتب نے انہیں انسانی خصائل میں سے کسی ایک خصلت پر اپنی انگلی رکھی ہے۔

کیا ان سب بٹن میں ایک بٹن ایسا بھی موجود ہے کہ اگر ہم اس پر ہاتھ رکھیں تو تمام کیسٹ حرکت میں آجائیں گے ایک آٹو میٹک انٹی ایئر کرافٹ گن (ANTIAIRCRAFT GUN) کی طرح اپنا کام انجام دینے لگیں گے یا نہیں؟ جو مکتب ایک بٹن کو دبا کر انسان کی تمام صلاحیتوں کو بغیر افراط وتفریط کے حرکت میں لا سکتا ہے وہی مکتب ایک جامع مکتب ہے۔

نفس قرآنی نقطہ نظر سے

قرآن اور کتب اسلامی میں ہم کبھی کبھی ایسی چیزیں پڑھتے ہیں کہ اگر معلومات نہ ہوں تو معلوم ہوگا کہ یہ تو قرآن میں تناقض اور تضاد ہے۔ مثلاً ہم لفظ ''نفس'' کے متعلق قرآن میں پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نفسانی خواہشات کے ساتھ مبارزہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کرنا چاہیے۔نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنا چاہیے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝٤٠
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ۝٤١

بے شک جو اپنے پروردگار کے مقام سے ڈرتا ہے اور نفس کو ہوا پرستی سے بچاتا ہے تو بہشت اس کا ٹھکانہ ہے۔[1]

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝٣٧ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝٣٨ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى ۝٣٩

اور جو شخص سرکشی کرتا ہے اور دنیاوی زندگی کو اختیار کرتا ہے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔[2]

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ

کیا تم نے دیکھا کہ اس شخص کو جس نے اپنے نفس کو خدا بنالیا ہے[3]

قرآن مجید نبی صدیق حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے نقل کر رہا ہے کہ آپ نفس کو بدبین کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ ؕ

اور میں اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتا ہوں کیونکہ نفس انسان کو برائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم ہی کرے۔[4]

حضرت یوسف علیہ السلام ایک حادثہ میں موردِ تہمت قرار پائے اور اس حادثہ میں سو فیصد آپ بری الذمہ تھے اور آپ کے اوپر کسی طرح کا کوئی گناہ اور کوئی تقصیر نہ تھی پھر بھی

---

[1] سورۂ النازعات: ۴۰، ۴۱

[2] سورۂ النازعات: ۳۷، ۳۸، ۳۹

[3] سورۂ الجاثیہ: ۲۳

[4] سورۂ یوسف: ۵۳

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے کو بڑا پاک باز نہیں جتانا چاہتا میں بذاتِ خود ایسا نہیں ہوں اور اپنے نفس کو بری نہیں کرتا میں جانتا ہوں کہ انسان کا نفس انسان کو برائی کا حکم دیتا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ چیز جو ''نفس'' اور ''خودی'' کے نام سے قرآن میں بیان کی گئی ہے انسان کو اسے ایک دشمن کی طرح بری نگاہ سے دیکھنا چاہئے اور اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دینا چاہئے بلکہ اسے اپنا مطیع و زیر دست بنا ر رکھنا چاہئے اسی کے بالمقابل ہمیں دوسری آیات کا بھی سلسلہ ملتا ہے، جس میں نفس سے مراد خود انسان ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ ط

ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے اپنے کو بھلا دیا تو خدا نے انہیں ایسا کر دیا کہ وہ اپنے نفس ہی بھول گئے۔ [۱]

قُلْ إِنَّ الْخٰسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دو کہ نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈالا۔ [۲]

نقصان صرف یہی نہیں ہے کہ انسان مال و دولت سے ہاتھ دھو بیٹھے، یہ تو معمولی نقصان ہے بڑا نقصان تو یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنی ذات کا نقصان اور گھاٹا اٹھائے۔

ایک انسان کے لئے دنیا کا سب سے عظیم سرمایہ خود اس کا نفس ہے جس نے خود اپنے کو گنوا دیا تو پھر چاہے وہ سب کچھ کیوں نہ رکھتا ہو گویا کچھ نہیں رکھتا اسلام متون اور قرآنی آیات میں اپنے کو فراموش نہیں کرنا چاہئے اپنے کو گنوانا، فروخت کرنا شدت سے مورد ملامت قرار پایا ہے۔ انسان کو خود کو فراموش نہیں کرنا چاہیے اپنے کو گنوانا نہیں چاہئے۔ اگر اس نفس

---

[۱] سورۂ الحشر: ۱۹

[۲] سورۂ الزمر: ۱۵

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سے مراد وہی "نفس" ہے جسے پہلے سلسلہ آیات میں بیان کیا گیا ہے تو کیا ہی اچھا ہے کہ انسان ہمیشہ خودفراموشی میں رہے۔پس اس لحاظ سے کہ مقام توبیخ وملامت میں بیان ہوا ہے اس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ وہاں معنائے اول کے مقابل معنی ہی مراد ہے یہ آیات کے نقطۂ نظر سے ہے رہی حدیثیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ نہج البلاغہ میں ایک مقام پر نفس اور ہوائے نفس کو عجیب انداز سے بڑی شدت کے ساتھ مورد ملامت قرار دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

ان المؤمن لا يمسى ولا يصبح الا و نفسه ظنون عنده

یعنی مومن ہمیشہ صبح وشام نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ اپنے تیں اپنے نفس سے بدگمان رہتا ہے۔

مومن ہمیشہ اپنے نفس کو اس آدمی کے مانند ایک خاص بدگمانی کی نظر سے دیکھتا ہے جس کا ہمسایہ خائن ہو، اس آدمی کو اس پر اطمینان نہ ہو اور ہمیشہ اسے یہ فکر رہتی ہو کہ اس کا ہمسایہ خیانت نہ کر بیٹھے۔

اس بات سے متعلق اسلامی ادب میں چاہے وہ عربی ہو، یا فارسی ہمارے پاس کافی اشعار موجود ہیں۔سعدی بوستان میں کہتے ہیں

مرا شیخ دانائے مرشد شہاب	دو اندر ز فرمود برروئے آب
یکے آنکہ در جمع، بدبیں مباش	دویم آنکہ در نفس خود بیں مباش

مجھے ایک عقلمند ودانا مرشد نے دو نصیحتیں کیں

ایک یہ کہ معاشرے اور جماعت سے بدبیں نہ ہونا۔دوسرا یہ کہ اپنے نفس سے خوش بین نہ ہونا۔دوسرے مقام پر ہم نہج البلاغہ میں دیکھتے ہیں کہ نفس کی بہت ہی تجلیل اور تکریم ہوتی ہے۔مثلاً حضرت امام حسن علیہ السلام کے لئے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا وصیت نامہ جس میں حضرت فرماتے ہیں۔

واكرم نفسك عن كل دنية وان ساقتك الى

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

الرغائب فانك لن تعتاض بما تبذل من نفسك
عوضا ولا تكن عبد غيرك وقد جعلك الله حرا [۱]

اے فرزند اپنے نفس کو ہر پست و دنیوی چیز سے بزرگ و برتر رکھو خبردار! پست اور غیر جائز کاموں کا خیال نہ کرے کیونکہ اگر تم اپنے نفس سے کچھ کھو بیٹھے تو کوئی دوسری چیز اس کا عوض نہیں ہو سکتی دیکھو کسی غیر کا غلام نہ بننا اس لئے کہ اللہ نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے۔

اسی مضمون سے ملتے جلتے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اشعار ہیں جنہیں اصمعی نے حضرت سے روایت کیا ہے حضرت فرماتے ہیں:

اثا من بالنفس النفيسة ربها	وليس لها فى الخلق كلهم ثمن
بها يشترى الجنات ان انا بعتها	بشئى سواها ان ذلكم غبن
اذا ذهبت نفس بدنيا اصبتها	فقد ذهبت نفسى وقد ذهب اثمن

میں اپنے نفس کے برابر کسی چیز کو نہیں کروں گا سوائے اس کے پروردگار کے۔ اگر لوگ مجھ سے چاہیں کہ میں اسے دے دوں اور اس کے عوض میں وہ چیز لے لوں جو فنا ہو جانے والی ہے تو میں ہرگز اپنے سرمایۂ خودی اور نفس کو دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اگر تمام دنیا و ما فیہا ہو تب بھی میں اس گوہر نایاب کو خدا کے سوا اس کے برابر کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ [۲]

یا یہ کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ:

من اعظم الناس خطراً قال من لم يرا للدنيا خطرً النفسه

سب سے باعظمت ترین انسان کون ہے؟ تو حضرت نے فرمایا

---

[۱] نہج البلاغہ فیض صفحہ ۵۲۶ حدیث ۱۷۵

[۲] نہج البلاغہ صبحی الصالح صفحہ ۴۰۱ رسالہ ۳۱

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وہ شخص جو تمام دنیا کو بھی اپنے برابر نہ جانتا ہو[1]

یا حضرت امیر المومنین علیہ السلام نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں

من کرمت علیه نفسه هانت علیه شهواته

جس شخص کا نفس خود اس کے نزدیک عزیز و گرامی ہو اور اپنے نفس کی عظمت کا احساس رکھتا ہو اور فی الواقع اپنے کو پہچانتا ہو تو اس کے لئے خواہشات اور خواہشات کی مخالفت بہت آسان ہو جاتی ہے۔[2]

کرامت نفس، عزتِ نفس، مخالفت نفس اور احترامِ نفس جیسی تعبیریں ہمارے یہاں روایات میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ایک سال تیسری شعبان کو اکیڈیمی میں امام حسین علیہ السلام سے متعلق میری ایک تقریر تھی وہاں میں نے اسلامی نقطہ نظر سے ''اخلاق میں خودی'' کے متعلق تقریر کی تھی۔ جو بعد میں میں نے چھپوا بھی دی اور وہ بھی ابھی میرے پاس موجود ہے اس تقریر کے لئے اس وقت میں نے جو یادداشتیں تیار کی تھیں وہ بھی میرے پاس موجود ہیں اسی وقت سے مجھے یہ فکر پیدا ہوئی اور جتنا زیادہ میرا مطالعہ بڑھتا گیا اس فکر پر میرا اعتقاد مزید بڑھتا گیا کہ ''اخلاق اسلامی'' میں انسان کے وجود کے جس محور اور جس نقطے پر اسلام نے ہاتھ رکھا ہے وہ وہی کرامت و عزت اور جلالت و عظمت نفس ہے اب ہم یہاں ان یادداشتوں میں سے کچھ حصے بیان کرتے ہیں۔

عزت نفس

قال الله تبارك و تعالى والله العزة ولرسوله وللمومنين

عزت فقط خدا، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کے لئے ہے۔ مومنین کو باعزت ہونا چاہیے اور بے شک وہ عزیز و باعزت ہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

---

[1] تحف العقول صفحہ ۲۰۱

[2] نہج البلاغہ صبحی الصالح صفحہ ۵۵۵ ح ۴۴۹

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اطلبو الحوائج بعزة النفس یعنی اپنی حاجتیں عزت نفس کے ساتھ طلب کرو انسان کو دوسرے افراد کی ضرورت ہوتی ہے مگر کلام اس میں ہے کہ آیا دوسرے انسانوں سے عرضِ حاجت کرنا اچھا ہے یا نہیں۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اچھا ہے یونان قدیم میں ''کلبیون'' نامی ایک جماعت تھی جو اخلاق میں دنائیت اور پستی کی تلقین کرتی تھی جو انسان اپنے کو جتنا زیادہ پست کر دیتا تھا ان کی نظر میں وہ اتنا ہی زیادہ بااخلاق ہوا کرتا تھا۔ یونان میں صوفیانہ اخلاق بہت زیادہ تھا ہمارے صوفیانہ اخلاق میں کبھی کبھی اس اسلامی تعبیر کے خلاف دیکھنے میں آتا ہے۔ متصوفہ کا ایک گروہ پیدا ہوا جسے ملامتیان کہا جاتا تھا۔ ان ملامتیوں کی روش اور کہنا یہ تھا کہ اپنے نفس کو حد سے زیادہ ذلیل کرنے کے لئے خود کو لوگوں کی نظروں میں خاکسار وخوار دکھانا چاہیئے۔ آج بھی متصوفہ کے درمیان ایک گروہ ''خاکسار'' کے نام سے موجود ہے یہ وہیں سے پیدا ہوا ہے۔ یہ اس طرح کے کام کرتے تھے کہ لوگ نفس کی اہمیت کے قائل نہ رہیں۔ میں نے مکرر یہ کہا ہے کہ سعدی کا یہ شعر درست نہیں ہے حالانکہ سعدی بڑے سودمند نصائح رکھتے ہیں جو انہوں نے اسلامی تعلیمات سے حاصل کئے ہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں

من آن مورم کہ در پایم بمالند	نہ زنبورم کہ از نیشم بنالند

مجھے فخر ہے کہ میں اس چیونٹی کے مانند ہوں جسے لوگ پیروں کے نیچے پامال کرتے ہیں۔ میں بھڑ نہیں ہوں جس کے ڈنگ سے لوگ نالہ وفریاد کرتے ہوں۔

سعدی کا مقصد یہ ہے کہ مردم آزادی اسلام کے نظریئے سے بری ہے مگر کیا حقیقت صرف اسی پر منحصر ہے کہ انسان چیونٹی ہو یا بھڑ؟ تا کہ کہنا پڑے کہ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں زور وطاقت ہی نہیں رکھتا کہ لوگوں کی دل آزاری کروں۔ انسان طاقت وزور نہ رکھتا ہو اور مردم آزادی نہ کرتا ہو یہ کوئی اہمیت کی بات نہیں اہم چیز تو یہ ہے کہ انسان زور وطاقت رکھتا ہو اور مردم آزادی نہ کرتا ہو۔ ایک مسلمان کو اپنی زبانِ حال سے یہ کہنا چاہیئے کہ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں زور وطاقت رکھتا ہوں اور مردم آزاری نہیں کرتا۔ سعدی کا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

یہ شعروہی اخلاق میں افراط اور بعض ملامتی صوفیانہ روش کا حامل ہے۔

اسلام ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتا۔ لوگوں نے یہ حکایت نقل کی ہے کہ مشہور و معروف درویش ابراہیم ادھم جو مشائخ صوفیاء میں تھے کہتے ہیں کہ میں تین مرتبہ اس قدر خوش ہوا ہوں کہ کبھی بھی اتنا خوش نہیں ہوا۔ پہلی مرتبہ اس وقت جب میں مسجد بیت المقدس میں بہت بیمار تھا اور کوئی میرے ساتھ نہ تھا میں مسجد کے ایک گوشے میں سو رہا تھا کہ مسجد کا خادم آیا اور جو لوگ مسجد میں سو رہے تھے انہیں اٹھانے لگا مجھ سے اٹھنے کے لئے کہا مگر مجھ میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی اس نے میرا پیر پکڑا اور گھسیٹ کر مسجد کے باہر کر دیا۔ وہاں چونکہ میں اس کے سامنے خوب ذلیل وخوار ہوا لہٰذا بہت خوش ہوا۔ دوسری مرتبہ جب میں بیٹھا ہوا اپنی پوستین الٹ پلٹ رہا تھا تو میں نے اس میں اتنی جوئیں پائی کہ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ میری پوستین کا اون زیادہ ہے یا جوئیں میں اسے بھی دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ میرا نفس پامال ہو چکا ہے۔ تیسری مرتبہ جب میں ایک کشتی پر سوار تھا اس کشتی میں ایک بدقماش آدمی مسخرہ اور مزاح سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کئے ہوئے تھا، لوگوں سے وہ بیان کر رہا تھا میں ایک مرتبہ کفار سے جنگ کرنے گیا وہاں میں نے ایسا کیا ویسا کیا، میں نے ایک قیدی کو پکڑ کر اس کی داڑی کھینچی، پھر اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو مجھ سے زیادہ بے دست و پا کسی کو نہ پا کر میرے پاس آیا اور میری داڑھی پکڑ کر اس واقعہ کی منظر کشی کرنے لگا کہ میں اس قیدی کو اس طرح لے جا رہا تھا چونکہ یہاں بھی میرا نفس بہت ذلیل ہوا لہٰذا مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ یہ وہی افراطی اخلاق ہے جس کے بالمقابل تفریطی اخلاق پایا جاتا ہے۔ یعنی ایک گروہ ایسا ہے جسے چاہے کتنی ہی ضرورت اور احتیاج کیوں نہ ہو پھر بھی کسی سے کچھ نہیں کہتا۔ مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اطلبو الحوائج بعزۃ انفس عزت نفس کے ساتھ اپنی حاجتوں کو طلب کرو۔ اگر اپنی حاجت کو اپنے کسی دوست اور رفیق سے بیان کرو اور تمہارے نفس کی سلامت وشرافت وعزت پامال نہ ہو: **المنیة ولا الدنیه** ''نہ موت'' اور نہ ذلت و

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

دنائت کی حد تک بیان کر دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے خطبوں میں سے ایک خطبے میں جسے آپ نے صفین میں ارشاد فرمایا ہے فرماتے ہیں

فالموت فی حیاتکم مقهورین والحیاة فی موتکم قاهرین

زندگی یہ ہے کہ کامیاب رہو چاہے زیرِ خاک ہی سہی [1]

یا قرآن فرماتا ہے

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

بیدل نہ ہونا اور کسی طرح کا غم نہ کرنا اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ تمہاری کامیابی اس لئے ہے کہ تم مومن ہو [2]

آئمہ علیہم السلام میں سے کسی امام نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے زیادہ عزت و سلامت نفس کے بارے میں ارشاد نہیں فرمایا ہے۔ امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں

موت فی عز خیر من حیاة فی ذلٍ

عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے [3]

امام حسین علیہ السلام کا ایک مشہور و معروف جملہ ہے جو بہت حیرت انگیز ہے حضرت فرماتے ہیں:

الا وان الدعي ابن الدعي قدر كزمنا بين اثنتين بين السلة والذلة و هيهات منا الدنية يا بى ذالك الله

---

[1] نہج البلاغہ صبحی صالحی خطبہ ۵۱

[2] آل عمران: ۱۳۹

[3] بحار ج ۴۴ صفحہ ۱۹۳

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ورسولہ والمومنون وحجور طابت[1]

اس کلام سے حرارت وشجاعت اورعزت نفس کی بارش ہورہی ہے حضرت کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ میں کہاں اور ذلت کہاں؟ خدا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوردامان پاک زہر علیہا السلام کو یہ پسند نہیں ہے کہ میں ذلت کے سایہ میں جاؤں یا حضرت اپنے دوسرے ارشاد میں فرماتے ہیں:

لا اقرُّ اقرار الذلیل ولا افر فرار العبید

میں ہرگز نہ ذلیل انسان کی طرح اقرار کروں گا اور نہ غلام کی طرح فرار اختیار کروں گا۔حضرت امام حسین علیہ السلام کا ہی یہ بھی ارشاد ہے:

اصدق عز والکذب عجز

سچائی عزت ہے اورجھوٹ عاجزی وکمزوری ہے۔

سچائی اس لئے اختیار کرنی چاہیے کہ سچائی عزت ہے اورسچائی ہی سے انسان ہے جھوٹ سے اس لئے پرہیز کرنا چاہئے کہ جھوٹ عاجزی اور کمزوری ہے۔جھوٹا انسان عاجزی اور کمزوری کا احساس کرتا ہے اس لئے جھوٹ بولتا ہے۔حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:**الغیبة جهد العاجز**[2] غیبت کرنا کمزور اور عاجز انسان کی کوشش کی آخری حد ہے ورنہ شریف اور طاقتور انسان کی روح خود طاقت وقوت اور شرافت کا احساس کرتی ہے اوراس کی عزت وشرافت اسے پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔وہ لوگ کمزور، ذلیل اور بہت ہی برے انسان ہیں جو دوسروں کی بدگوئی میں اپنا وقت برباد کرتے ہیں۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جندب سے فرماتے ہیں:

---

[1] تحف العقول:صفحہ ۱۷۴

[2] شرح نہج البلاغۃ خوئی جلد ۲۱ صفحہ ۲۲۶

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وخذ حظك من آخرتك ولا تكن بطرا فی الغنی ولا جزعا فی الفقر ولا تكن فظا غلظا يكره الناس قربك

حضرت کے ارشاد گرامی کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہیں لوگوں کے ساتھ میانہ رو رہنا چاہئے نہ تو بدخو اور تندمزاج انسان کی طرح رہو کہ لوگ اس کے پاس جاتے ہوئے وحشت کرتے ہوں اور نہ ہی اتنے ضعیف و کمزور بن کر رہو لوگ تمہاری تحقیر کرنے لگیں نفس کی عزت و شرافت باقی رکھو۔[1]

حضرت علی علیہ السلام کا یہ ارشاد ''وسائل الشیعہ'' میں درج ہے

ويكون استغناءك عنهم فی نزاهة عرضك وبقاء عزك[2]

ایک وقت میں تم اپنے دل میں دو متضاد فکر رکھو۔ایک یہ کہ میں لوگوں کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔دوسری یہ کہ میں لوگوں سے بے نیاز ہوں حضرت فرماتے ہیں جس وقت تم لوگوں سے ملاقات کرو تو نرمی اختیار کرو۔فرض کرو کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے لیکن جہاں عزت و آبرو اور اپنی حیثیت درکار ہے اور اتفاقاً وہ پامال ہو رہی ہے تو کہنا چاہئے کہ مجھے فلک کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

نہج البلاغہ میں حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں:

ما احسن تواضع الاغنياء للفقراء

دولت مندوں کے لئے کتنا اچھا اور زیبا ہے کہ وہ فقیروں کے سامنے منکسر اور متواضع رہیں اور اس سے زیادہ زیبا فقرا و مساکین کی دولت مندوں سے بے اعتنائی ہے۔

دعائے ابوحمزہ ثمالی میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1] تحف العقول صفحہ ۳۵۸

[2] سفینۃ البحار ج ۲ صفحہ ۳۲۷

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

الحمد لله الذی وکلنی الیه فاکرمنی ولم یکلنی الی الناس فیهینونی

تمام تعریفیں ہیں اس خدا کے لئے جس نے مجھے اپنے اختیار میں رکھا ہے پس میرا اکرام کیا اور ذلیل وخوار ہونے کے لئے لوگوں کا محتاج نہیں بنایا کہ لوگ مجھے اہانت آمیز نظروں سے دیکھیں۔

نہج البلاغہ میں ایک بڑا عجیب اور پر معنی جملہ ہے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

قدر الرجل علی قدر همته وصدقه علی قدر مروته و شجاعته علی قدر انفته وعفته علی قدر غیرته [1]

ہر انسان کی قدر ومنزلت اس کی ہمت کے اندازے کے مطابق ہے، ہر انسان کی سچائی اس کی مروت ومردانگی کے اندازے کے مطابق ہے ہر انسان کی شجاعت اس کی حمیت کے اندازے کے مطابق ہے (شجاعت زورِ بازو کے علاوہ قوت ہے بلکہ قوتِ قلب اور بے خوف ہونے کے معنی میں ہے ساتھ ساتھ بے اختیار نہ ہونا) ہر انسان کی پاک دامنی اس کی غیرت کے اندازے کے مطابق ہے۔ غیرت مند افراد کے بالمقابل وہ افراد قرار پاتے ہیں جو بے عفت انسان یعنی جو خود اپنے اور دوسروں کے ناموس کی عفت نہیں رکھتا اس لئے کہ اگر اس سے خود اپنے ناموس کی غیرت ہوتی تو یہ محال تھا کہ وہ ایسا کام کرتا۔ ہم نے جہاں بھی بے عفت انسان کو دیکھا تو یہ جان لینا چاہئے کہ اس کی بھی غیرتِ ناموس اس کے اندر مردہ ہو چکی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ما زنی غیور قط دنیا میں ہرگز ایک باغیرت انسان زنا نہیں کرتا جو زنا کرتا ہے وہ بے غیرت ہے اور فی الواقع اس کے نزدیک اس کی بھی اہمیت نہیں ہے کہ کوئی دوسرا اس کے ناموس کے ساتھ زنا کرے۔ حضرت نے خط امام حسن علیہ السلام کے لئے لکھا ہے اس میں فرماتے ہیں:

[1] نہج البلاغہ صبحی الصالح صفحہ ۴۱۷ حکمت ۴۷

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

لا تكن عبد غيرك و قد جعلك الله حرا

میرے بیٹے! دنیا میں ہرگز کسی کا بندہ نہ ہونا کیونکہ خدا نے تمہیں آزاد پیدا کیا ہے۔

فرانسیسیوں نے حقوق بشر کا جو منیفسٹو شائع کیا ہے اس کے مقدمہ میں یہ جملہ لکھا ہے اور منیفسٹو اس جملے سے شروع ہوتا ہے

''خدا نے انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے''

انسان دو ''نفس'' رکھتا ہے

ہم گذشتہ بحثوں میں کہہ چکے ہیں کہ اسلام میں ایک طرف تو نفس کے ساتھ جہاد اور مبارزہ بلکہ نفس کو مار ڈالنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

موتوا قبل ان تموتوا

قبل اس کے کہ تمہیں موت آئے نفس امارہ کو مار ڈالو

دوسری طرف ہم کرامت نفس، حریت نفس اور سلامت نفس جیسی تعبیریں بھی رکھتے ہیں کیا انسان واقعاً دو ''نفس'' اور دو خودی رکھتا ہے کہ اس کا فریضہ یہ ہے کہ ایک خودی کو مار ڈالے اور دوسری خودی کو محترم سمجھے؟ جس طرح علم نفسیات میں لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ہر انسان کی متعدد شخصیتیں ہیں اور دو ''خودی'' ہیں یا نہیں؟ خیر قطعاً ہمارا یہ مقصود نہیں بلکہ ہمارا مقصد کچھ اور ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان دو خودی رکھتا ہے، مگر اس معنی میں نہیں کہ دو اصلی ''خودی'' اور دو ''انا'' ایک دوسرے کے پہلو میں ہیں بلکہ ایک خودی حقیقی ہے اور ایک خیالی۔ انسان ایک ہی خودی رکھتا ہے اور وہی اس کی حقیقی خودی ہے اور دوسری درحقیقت نا خودی و بے خودی ہے لیکن انسان اسی کو خودی خیال کرتا ہے اس خودی نا خودی کو مار ڈال تا کہ حقیقی اور اصلی خودی پردے سے ظاہر ہو جائے۔

چونکہ نفسیانی مسائل میں انسان نے جس قدر بھی علمی و فلسفی کوششیں کی ہیں اس کے نتیجے میں یہاں تک پہنچا ہے کہ انسان میں دو قسم کی ''خودی'' وجود رکھتی ہے مگر یہ دو خودی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کس طرح سے ہے یہ نہیں جانتے۔ اس مسئلے نے تازہ عروج حاصل کیا ہے حالانکہ چودہ سو سال پہلے بزرگانِ دین فرما چکے ہیں ہیگل کے زمانے سے یہ مسئلہ بیان ہونا شروع ہوا ہے اور ظاہراً پہلا شخص ہیگل ہی ہے جس نے ''خود سے جدا ہونا'' کے عنوان کے تحت اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ قرآن چودہ سو سال پہلے ہی ''اپنے کو فراموش کرنا'' بیان کر چکا ہے۔

انفرادی خودی، کلی خودی

''خود شناسی'' کے باب میں ایک دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ انسان دو خودی کا مالک ہے۔ کلی خودی۔ انفرادی خودی۔ ''کلی خودی'' سے مراد وہ انسانی خودی اور انسانیت ہے جو تمام افراد میں پائی جاتی ہے۔ ''انفرادی خودی'' سے مراد یہ ہے کہ شخص دیگر کی خودی کے علاوہ میں ذاتی طور پر ایک خودی رکھتا ہو۔ قرآن کہتا ہے کہ ایک خودی کے ساتھ مبارزہ کرنا چاہیے اور ایک خودی کو محترم رکھنا چاہیے۔ کلی خودی کو محترم و مکرم رکھنے سے انسان میں تمام اخلاق مقدسہ زندہ ہو جاتے ہیں اور تمام اخلاق ناپسندیدہ و رذیلہ دور ہو جاتے ہیں۔ اگر انسان کی یہ خودی زندہ ہو گئی تو اس وقت وہ پھر انسان کو سچائی چھوڑنے اور جھوٹ کے پیچھے بھاگنے، کلام کی پاکیزگی چھوڑنے اور غیبت اور اس کے مانند باتوں میں پڑنے کی اجازت نہیں دے گی۔ چنانچہ امام ہادی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

من هانت عليه نفسه فلا تأمن شره

جو شخص اپنے اندر اپنی اخلاقی و معنوی شخصیت کا احساس نہ کرے اس کے شر سے بے خوف نہ رہنا۔[1]

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں اگر کوئی شخص اپنی روح میں شرافت و بزرگی کا احساس کرتا ہے تو اس کے لئے شہوت رانی اور ہوائے نفس کے پیچھے جانا ایک قابل نفرت کام اور نہ جانا آسان کام ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ حل ہے کہ انسان حیوان ہوتے ہوئے بھی قرآن کی تصریح کے مطابق اپنے اندر الٰہی روح کی ایک پھونک اور ملکوت

[1] تحف العقول صفحہ ۳۵۱

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

الٰہی کا ایک پرتو بھی رکھتا ہے۔ایک ملکوتی نور ہر انسان کے وجود میں ہے۔انسان کی اصلی انا اور خودی وہی ملکوتی خودی ہے اور انسان کی حیوانی خودی اس کی طفیلی ہے جو حقیقت نہیں رکھتی۔اسلامی فلاسفہ مادہ وصورت کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہر موجود کی آخری فعلیت ہی اس کی حقیقت کا جز نہیں ہے اور اس کی فعلیت میں مداخلت نہیں رکھتی۔حیوان میں جو واقعی اور اصلی خودی ہے وہ حیوان کو تشکیل دیتی ہے اور انسان میں طفیلی خودی ہو جاتی ہے۔ میں کھاتا ہوں، میں پیتا ہوں، میں روتا ہوں، میں جاتا ہوں، یہ سب ''میں'' سے وابستہ ہے مگر یہ ''انا'' کا ادنیٰ مرحلہ ہے۔یہی ''میں'' ہے جس کے تحت کہتا ہے میں فکر کرتا ہوں، میں خدا کو یاد کرتا ہوں، میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے اوپر دوسرے کو مقدم کروں اور ایثار کروں یہ سب بھی ایک ''میں'' ہے لیکن اس کے درجات ہیں۔ جہاں ''میں'' بلند اور عالی بات کہتا ہے وہ انسان کی ''میں'' کا عالی درجہ ہے جو گفتگو کر رہا ہے اور جہاں حیوانی مسائل کی بات کرتا ہے وہ انسان کی ''میں'' کا پست درجہ ہے جو بول رہا ہے۔یہ انسان کی خصوصیات سے ہے کہ کبھی اس کی ''میں'' کے درمیان جنگ وجدل اور کشمکش دکھائی دیتی ہے جس کی تعبیر عقل ونفس کے درمیان جنگ یا اخلاقی ارادے سے اور نفسانی خواہشات کے درمیان جنگ سے کی جاتی ہے اس کے وجود میں اس آزمائش کا بھی زیادہ اتفاق ہوتا ہے کہ انسان اپنے طبیعی و فطری میلان کے برخلاف ایک کام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے اس کا میلان ایک طرف اور ایک سمت ہے اور اس کا فیصلہ اس کے نفسانی میلان کے برخلاف دوسری سمت ہے۔مثلاً انسان کی طبیعت اس کے کھانے کا ایک نظام مقرر کرتی ہے اور بعض میوے کھانے سے منع کرتی ہے یا ایک حد تک کھانے کی اجازت دیتی ہے اور زیادہ کو مضر بتاتی ہے انسان اس دستور اور نظام کے نافذ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے مگر میل اور خواہش اپنی جگہ باقی ہے جب دسترخوان پر بیٹھتا ہے تو یہ نفسانی خواہش اپنا کام کرنا شروع کر دیتی ہے،اس کو ممنوع غذا کھانے کی بھی دعوت دیتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ غذا بھی کھائے جو اس کے لئے کھانا منع ہے فیصلہ اس میل وخواہش کے مقابلے میں کھڑا ہے۔یہی وہ منزل ہے جہاں انسان کبھی عملاً اپنی خواہش اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میلان کے خلاف قیام کرتا ہے اور اس کی عقل اس کے نفس پر غالب آتی ہے اور کبھی اس کے برخلاف اتفاق ہوتا ہے۔ اس کا نفس اس کی عقل پر غالب آجاتا ہے مثلاً انسان سحر کے وقت بیدار ہونے کا اٹل فیصلہ کرتا ہے اور جب بیدار ہوتا ہے تو میل اور خواہش کہتی ہے کہ گرم بستر سے باہر نہ نکلو اخلاقی ارادہ کہتا ہے اٹھو بستر چھوڑو۔ اس مقام پر بھی انسان اپنی طبیعت کے برخلاف کام کرتا ہے اور اٹھ جاتا ہے اور کبھی اپنی طبیعت کی موافقت کرتا ہے اور بستر گرم پر استراحت کرتا ہے مگر یہ جنگ وجدل حیوانوں میں نہیں پائی جاتی۔ حیوان ہے اور اس کی طبیعت، حیوان ہے اور اس کی خواہشات جس طرف اس کی خواہش اور میل حکم کرتی ہے وہ جاتا ہے۔

ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ انسان کے اندر یہ جنگ وجدل دو خودی کے درمیان ہوتی ہے انسان کے باطن میں خودی کی دو طاقتیں ہیں جو آپس میں برسرِ پیکار رہتی ہیں۔ انسان کی کسی دوسرے سے لڑائی نہیں ہوتی ایک طاقت کہتی ہے یہ کام کرو دوسری اس کی مخالفت کرتی ہے اور جب انسان کا طبیعی وحیوانی میلان اس کے اخلاقی ارادہ پر کامیاب ہو جاتا ہے تو اسے اسی طرح شکست وشرمندگی اٹھانا پڑتی ہے جس طرح ایک پہلوان کو لوگوں نے میدان میں بھیجا ہو اور وہ ایک دوسرے پہلوان کے ساتھ لڑ کر شکست کھا گیا ہو۔ اس کے برعکس جس وقت اس کا اخلاقی ارادہ اس کے طبیعی میلان پر کامیاب ہو جاتا ہے اور وہ اپنے غذائی نظام واصول سے تجاوز نہ کرتے ہوئے دسترخوان سے اٹھ جاتا ہے یا جس روز وہ صبح کو اپنی طبیعت کے حکم وفرمان کے برخلاف کہ وہ کہتی ہے بستر گرم نہ چھوڑو گرم بستر چھوڑ کر اپنے عبادی پروگرام میں لگ جاتا ہے تو اپنے اندر مسرت اور کامیابی کا احساس کرتا ہے۔

یہ چیز ہر شخص کے اندر پائی جاتی ہے میرا خیال ہے کہ کوئی انسان بھی ایسا نہیں ہوگا جو ایسی آزمائش میں مبتلا نہ ہوا ہو۔ یہی وہ منزل ہے جہاں انسان یہ ادراک کرتا ہے کہ اصلی خودی، واقعی خودی اور حقیقی ''میں'' وہی اس کا اخلاقی ارادہ ہے جو احساس انسان کو شکست دے دیتا ہے وہ اس کی خیالی ''میں'' اور غیر حقیقی ''انا'' ہے یہی وہ نفس ہے جس کے ساتھ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مبارزہ کرنا چاہیے اور اسے چھوڑنا نہیں چاہیے کہ وہ مطلق العنان ہو جائے اور میدان اس کے ہاتھ لگ جائے۔ انسان اپنے اندر جو مبارزہ رکھتا ہے دراصل وہ ''خودی'' اور غیر خودی کا مبارزہ ہے۔ جہاں حیوانی خواہشات کامیاب ہیں اور حکومت مطلقاً ان کے ہاتھوں میں ہے وہاں عقل و ارادہ اور انسانی فطرت پوشیدہ ہے، وہاں میدان نفس میں خواہشات و شہوات سوار بے ہمتا ہیں۔

حیوانی طبائع نے اصلی خودی پر غلبہ حاصل کر کے اسے طاق نسیاں کے حوالے کر دیا ہے وہ شخص جس کے اندر صرف حیوانی شہوات کی حکومت ہوتی ہے دراصل اس کی حقیقی خودی شکست خوردہ ہو چکی ہوتی ہے

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دو کہ نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈالا۔[1]

وہ اپنی خودی کو اس جوئے میں ہار گیا اور یہ سب سے بڑی شکست ہے، دولت، شہوت اور ماکولات وملبوسات کی خواہش اس کی فکر پر حکومت کرتی ہے وہ خودی کی بجائے غیر خودی کو ''خودی'' سمجھ بیٹھا ہے اسے توجہ نہیں ہے کہ وہ اپنے کو، اپنی خودی کو فراموش کر چکا ہے پھر بھی ہمیشہ ''خودی'' کا دم بھر رہا ہے۔ قرآن کہتا ہے تو اپنی حقیقی خودی کھو چکا ہے یہ تیری طفیلی خودی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ

ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے خدا کو بھلا دیا تو خدا

[1] الزمر: ۱۵

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نے انہیں ایسا کر دیا کہ وہ اپنے نفس ہی کو بھول گئے [۱]

یہی مسئلہ ہے جو قرآن مجید میں ''خود اعتمادی'' کے مقابلے میں ''مذموم خود فراموشی'' کے نام سے آیا ہے ''خوداعتمادی'' بھی بغیر خدا کی یاد کے ممکن نہیں ہے یہ دونوں چیزیں قرآن کی منطق میں جدا نہیں ہیں۔ خدا کو یاد رکھنا خود کو یاد رکھنا ہے۔ اسی حقیقی وملکوتی خودی کو دوبارہ حاصل کرنا اور پیدا کرنا حقیقتِ عبادت ہے اس سلسلہ میں حضرت علی علیہ السلام کی نہایت ہی حسین وخوبصورت تعبیر ہے۔ حضرت فرماتے ہیں

عجبت لمن ینشد ضالته وقد اضل نفسه فلا یطلبها

تعجب کرتا ہوں اس آدمی پر کہ جس وقت اس کی کوئی چیز گم ہو جاتی ہے تو چین سے نہیں بیٹھتا اس گمشدہ چیز کے پیچھے سرگرداں رہتا ہے جب کہ وہ اپنے نفس کو کھو بیٹھا ہے اور اس کو تلاش کرنے کی فکر نہیں کرتا۔ [۲]

مولوی کہتے ہیں:

اے تو در پیکار، خود را باختہ	دیگراں را تو زخود نشناختہ
تو بہر صورت کہ آئی بیستی	کہ منم ایں، واللہ آں تو نیستی

کبھی انسان آئینے کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے کو دیکھ رہا ہے حالانکہ وہ خود نہیں ہے مولانا رومی کہتے ہیں کہ اگر تم اپنا امتحان کرنا چاہتے ہو تو اور دیکھنا چاہتے ہو کہ آیا تم نے اپنے کو گم کر دیا ہے یا نہیں؟ تو تم اس راز کو خلوت وتنہائی میں معلوم کر سکتے ہو اس طرح سے اگر تم چند روز دوسرے لوگوں کو نہ دیکھو تو تمہیں وحشت ہونے لگے گی کیونکہ تم انہی لوگوں میں کھو چکے ہو اور اپنے کو انہی لوگوں میں تلاش کر رہے ہو اگر تم حقیقتاً خود کو پا گئے ہوتے تو اگر سو سال بھی خلوت میں رہتے تو تمہیں ذرہ برابر بھی وحشت و دل تنگی

---

[۱] الحشر:۱۹

[۲] غرر الحکم جلد ۲ صفحہ ۴۹۵

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

پیدا نہ ہوتی۔خودی اور ناخودی کا مسئلہ اہم مسئلہ ہے اور رہنمایان دین کے ارشادات میں بھی بکثرت آیا ہے۔

بخیل کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام کا ایک ارشاد ہے کہ وہ ایک ایسا انسان ہے جو اپنے کو کھو چکا ہے اور مال و دولت ہی اس کا ہدف ومقصد بن چکا ہے۔آج کل کے ایک ماہر نفسیات کے بقول وہ دولت میں مضبوطی سے گڑ چکا ہے اور دولت ہی اس کی ''خودی'' بن چکی ہے مال دوست کے علاوہ وہ دوسری خودی نہیں رکھتا وہ خود کو دولت کے لئے چاہتا ہے دولت کو اپنے لئے نہیں اس نے اپنی جان وحیات وسلامتی وزندگی کو دولت کے لئے سرمایہ قرار دیا ہے،لیکن اس کے لئے حاضر نہیں ہے کہ وہ دولت کو اپنی سلامتی و سعادت کے لئے سرمایہ قرار دے۔نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

عجبت للبخیل سیتعجل الفقر الذی منه هرب، ویفوته الغنی الذی ایاہ طلب فیعیش فی الدنیا عیش الفقراءِ و یحاسبُ فی الاخرة حساب الاغنیاءِ

تعجب ہے اس بخیل انسان پر جو مال و دولت اور دولت مندی و بے نیازی کے لئے فقر و مفلسی سے فرار کر رہا ہے حالانکہ وہ عملاً اسی فقر میں گرفتار رہے دنیا میں تو فقیروں جیسی گزار رہا ہے اور آخرت میں اس کا حساب دولت مندوں کے ساتھ ہوگا۔بدبخت ومفلوک الحال ہے اس لئے کہ وہ خود کو دولت پر صرف کر رہا ہے دولت کو اپنے لئے صرف نہیں کرتا۔پرانا لباس پہنتا ہے سادہ کھانا کھاتا ہے صرف اس لئے کہ کچھ بچا سکے۔فقر یعنی دنیاداری اور جب انسان لباس،مکان غذا اور سواری اچھی نہ رکھتا ہو تو وہ فقیر ہے بخیل اگرچہ سب کچھ رکھتا ہے پھر بھی وہ اسی فقر وناداری سے دوچار ہے۔پوری زندگی اس لئے نان ونمک کھاتا ہے کہ کہیں فقیر نہ ہو جائے وہ اپنی حقیقی خودی سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہاتھ دھو چکا ہے۔[1]

مولانا رومی ایک بڑی خوبصورت مثال بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فرض کرو کہ ایک انسان نے کوئی زمین مکان بنانے کے لئے مہیا کی اور کسی وجہ سے وہ وہاں دن کو نہیں جا سکتا بلکہ رات کو جاتا ہے اور مکان کو تعمیر کرتا ہے غرض پیسہ خرچ کیا اور ایک مکان بن کر تیار ہو گیا ان تمام زحمتوں کے بعد ایک دن جب وہ وہاں رہنے کے لئے جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ مکان تو دوسرے کی زمین پر بنا ہے اور اس کی زمین یونہی پڑی ہوئی ہے، ایسی صورت میں اس انسان کی کیا حالت ہوگی؟ یہی حالت انسان کی قیامت میں ہوگی وہ خود کو اسی زمین کے مانند دیکھے گا جو ایک طرف خالی پڑی ہے جو خود اس کی زمین تھی اور اس کے لئے اس نے کچھ کیا ہی نہیں اور جس کے لئے کچھ کام کیا تھا جس پر مکان بنایا تھا وہ دوسروں کی زمین تھی۔

در زمینِ دیگراں خانہ مکن	کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن
کیست بیگانہ؟ تن خاکیٔ تو	کز برائے اوست غمناکی تو
تا تو تن را تلخ و شیریں میدھی	گوہر جاں را نیابی فربھی
گر میاں مشک تن را جا شود	وقت مردن گند آن پیدا شود
مشک را برتن مزن برجاں بمال	مشک چبود؟ نام پاک ذوالجلال

دوسرے کی زمین پر گھر نہ بنا اپنا کام کرو بیگانہ کا نہیں۔ بیگانہ کون ہے؟ یہ تیرا خاکی بدن جس کے لئے تیرا رنج وغم ہے۔ جب تک تو صرف بدن کو ہی تلخ وشیریں سے نوازتا رہے گا تو تو اپنے گوہر جاں میں فربھی نہیں پا سکتا اگر تو اپنے بدن کو مشک میں بھی رکھے گا تو مرنے کے وقت اس میں بدبو پیدا ہوگی۔ مشک کو بدن پر مت مل بلکہ روح وجان پر مل۔ مشک کیا ہے؟ ذات پاک یا ذوالجلال کا نام۔

اسلام کے نقطۂ نظر سے ہر شخص کی حقیقی خودی وہی نفخۂ الٰہیہ (خدائی پھونک) جو

[1] نہج البلاغہ صبحی الصالح صفحہ ۴۹۱ حکمت ۱۲۶

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس میں پائی جاتی ہے اور یہی انسان کے اخلاقی احساسات کا سرچشمہ ہے۔ اگر انسان میں ایسی حقیقی خودی نہ ہوتی تو ان اخلاقی احساسات کا ہی وجود نہ ہوتا جو جسمانی منافع کے ساتھ بالکل میل نہیں کھاتے۔

تعجب ہے کہ پوری دنیا اسباب و دلائل کے ساتھ روح ملکوتی کے وجود کو قبول نہیں کرنا چاہتی۔ البتہ یہ کلیہ نہیں ہے ان میں بھی بہت سے روحانی موجود ہیں۔ یہ نکتہ بہت واضح اور روشن ہے کہ انسان کی روح ہمیشہ اس کے لئے معنویت کا دروازہ رہی ہے تا کہ انسان یہ سمجھ سکے کہ میں ایک معنوی حقیقت ہوں قابلِ بقا اور حقیقی جاویداں ہوں مرنے کے ساتھ ہی میرا کام تمام نہیں ہوگا۔ انسان میں دو طرح کی قدریں موجود ہیں

۱۔ مادی ۲۔ معنوی

ولیم جیمز جو ایک اللہ والا شخص تھا اس کی اکثر کتابیں اب تک جن کا ترجمہ ہو چکا ہے وہ بہت خوب ہیں اس کی ایک کتاب ''دین و روح'' کے نام سے بھی ہے وہ ایک ماہر نفسیات فلسفی اور نمایاں دانشمند تھا اس کا شمار دنیا کے بزرگ دانشمندوں میں ہوتا ہے اس کو گزرے ہوئے تقریباً ۶۰ سال ہو چکے ہیں مذکورہ بالا کتاب میں اس منصف مزاج انسان نے بڑی اچھی بات کہی ہے وہ کہتا ہے۔

> انسان کے وجود میں طبائع کا ایک سلسلہ ہے جو مادی معاملات سے میل نہیں کھاتا۔

مؤلف مذکور بڑی صراحت کے ساتھ اس نکتے کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے ''جس طرح مادی طبیعتیں ہمیں مادی دنیا سے وابستہ کرتی ہیں جس کا وجود انسان اور مادی دنیا کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کے لئے ایک کنال کی طرح ضروری ہے۔ مثلاً اگر بھوک کا احساس نہ ہوتا تو انسان کھانا حاصل کرنے کے لئے نہ جاتا۔ یہ وہ احساس ہے جو اس کو عالم مادہ سے وابستہ کرتی ہے اسی طرح اور اسی دلیل سے انسان میں ایسے غرائز بھی موجود ہیں جو مادی طبائع سے میل نہیں کھاتیں یہ وہ طبائع و غرائز ہیں جو انسان کو دوسری دنیا سے وابستہ کرتی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہیں انسان اپنے اندر عالم طبیعت کے علاوہ ایک دوسرے عالم کی دلیل اور راستہ رکھتا ہے۔

مگر وہ ماہرین نفسیات اور فلاسفہ جو ماوراء طبیعت کو قبول نہیں کرنا چاہتے وہ کہتے ہیں کہ انسان دو چیزیں چاہتا ہے ''فائدہ اور ارزش (قدر)''

مادی میلانات کو فائدہ کہتے ہیں اور معنوی میلانات کو ارزش (قدر) وہ خیال کرتے ہیں کہ نام بدلنے سے حقیقت کو بھی بدل سکتے ہیں۔ ان سے ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ ''قدر'' کیا چیز ہے؟ تو کہتے ہیں قدر، قدر ہے ایک چیز ہے جو انسان کی کسی ضرورت کو پورا نہیں کرتی اور منطق سے بھی میل نہیں کھاتی۔ مثلاً ایثار، لیکن اس کا وجود ہے۔ ایثار مطقی نہیں ہے منطقی تو یہ چیز ہے کہ انسان منفعت کے پیچھے جائے عقل بھی اسی کا حکم کرتی ہے کہ انسان کو فائدے کے پیچھے جانا ہی چاہئے۔ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں مگر دوسری طرف وہ ایسی معنوی قدروں کے وجود کا انکار بھی نہیں کر سکتے۔ قربانی، فداکاری، عدالت، انصاف، آزادی حلم و بردباری وغیرہ۔ یہ قدریں ہیں جو بنیادی طور پر انسان کے منافع سے بھی میل نہیں کھاتیں اور عقل و منطق کے ساتھ بھی سازگار نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود سب قدریں ہیں۔

ہم کہیں گے کہ یہ محال ہے کہ کوئی شے ارزش رکھتی ہو لیکن وہ ارزش عقلی و منطقی نہ ہو اسلام کہتا ہے۔

ایک باارزش و باقدر چیز جو تمام چیزوں سے زیادہ باارزش و باقدر ہے وہ تمہارے وجود میں پائی جاتی ہے اور وہی تمہاری روح ملکوتی ہے۔ مگر یہ لوگ ایسی بلند و بالا ارزش وقدر کو جو انسان میں پائی جاتی ہے اور جہاں سے تمام اخلاقی احساسات کا سرچشمہ جاری ہوتا ہے، یہ لوگ اس کو ایک معنوی چیز کی حیثیت سے قبول نہیں کرنا چاہتے۔

اسلام کہتا ہے! مادی اور معنوی دونوں قدریں اچھی ہیں۔ معنوی خیر اور اچھائی کی انتہا وہ اچھائی ہے جس کے پیچھے انسان کی حیوانی طبیعت نہیں جاتی بلکہ اس کے پیچھے انسان کی ملکوتی حقیقت جاتی ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں ہم کہتے ہیں کہ ''اخلاق'' اور اخلاقی احساس وہ دروازہ ہے جس سے انسان اپنی روح کو پہچانتا ہے اور اپنی روح مجرد کو پہچان کر عالم غیب و

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

حکومت سے آشنا ہوتا ہے اس لئے کہ انسان عالم غیب ہی کا ایک شعلہ ہے اور اخلاقی احساسات کی جڑیں وہیں سے پیدا ہوتی ہیں۔ انسان جب اپنی ملکوتی خودی کا احساس کر لیتا ہے تو پھر حقارت وذلت کو قبول نہیں کرتا۔ حضرت علی علیہ السلام کے بقول:

من کرمت علیہ نفسہ ھانت علیہ شھواتہ

یعنی جس شخص کا نفس خود اس کے نزدیک عزیز ہو تو اس کے لئے خواہشات حقیر ہو جاتی ہیں۔ [۱]

اگر انسان ایک عمدہ اور اچھی قسم کی سینری کا تابلو دیکھے اور اس کی قدر و قیمت کا بھی ادراک کر لے تو یہ محال ہے کہ وہ اس کو کثیف اور ضائع ہونے دے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اس کی عظمت کا احساس کرتا ہے۔ اس طرح انسان علم حضوری سے اپنی ذات کا ادراک کرتا ہے کہ اس کا تعلق عالم قدرت سے ہے اپنی کرامتِ نفس کا احساس کرتا ہے۔ کمزوری اور ناتوانی سے فرار کرتا ہے۔ عاجز کو گوارا نہیں کرتا اور امیر المومنین علیہ السلام کی اس حدیث کے مطابق جسے ہم گذشتہ بحث میں نقل کر چکے ہیں کہ:

الغیبۃ جھد العاجز: (غیبت کرنا عاجز انسان کی کوشش ہے)

غیبت نہیں کرتا اس لئے کہ وہ احساس کرتا ہے کی غیبت کرنا عاجزی اور کمزوری ہے۔ وہ تکبر نہیں کرتا اس لئے اسے احساس ہو جاتا ہے کہ حسد بھی عاجزی ہے اور کمزوری ہے وہ تکبر نہیں کرتا اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ تکبر حقارت نفس سے پیدا ہوتا ہے اگر انسان حقارت نفس نہ رکھتا ہوگا تو تکبر نہیں کرے گا۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

ما من رجل تکبر او تجبر الا لذلۃ وجدھا فی نفسہ [۲]

یعنی دنیا میں کوئی بھی تکبر وظلم نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ اپنے اندر خود حقارت وذلت کا احساس کرتا ہے

---

[۱] نہج البلاغہ صبحی الصالح صفحہ ۵۵۵ حکمت ۴۴۹

[۲] الکافی ج ۲ حدیث ۱۷ صفحہ ۲۳۶

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ایسا آدمی اپنی حقیقی خودی کو نہیں پا سکا اس لئے کہ اگر اسے اس کی حقیقی خودی مل گئی ہوتی تو وہ حقارت و ذلت کا احساس نہ کرتا، قدرت وعظمت کا احساس کرتا نہ کہ تکبر کا۔ کیونکہ تکبر اس کی روح کے ساتھ سازگار نہیں ہوتا۔ چونکہ انسان کی حقیقی خودی عالم علم سے ہے وہ علم سے خوش ہوتا ہے اور جہالت سے نفرت کرتا ہے، چونکہ انسان کی حقیقی خودی عالمِ رحمت سے ہے تو وہ جود و بخشش سے خوش ہوتا ہے۔

اسلام میں تمام اخلاقی احساسات خودی اور حقیقت خودی کا احساس پیدا کرنے سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اگر انسان اپنی حقیقی خودی کو پیدا کرلے تو ساتھ ساتھ تمام اخلاقی اور ضد اخلاقی قدروں کا معنی و مفہوم بھی سمجھ لے گا کیونکہ اسلام میں ''اخلاق'' ''خودی'' کے پہچاننے کے ہی محور و بنیاد پر ہے بنابریں انسان دو خودی رکھتا ہے حقیقی و خیالی (مادہ پرست مادیین بھی اس منزل پر پہنچے ہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ آدمی کی خودی کو کسی خاص چار چوب میں منحصر کر دیا جائے اصولاً انسان کی شخصیت ایک ایسی چیز ہے جس سے زبردست سے زبردست مادہ پرست بھی انکار نہیں کرسکتا۔ وہ بھی انسان کی ایک شخصیت کے قائل ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اس نکتے کی توجیہ کرنے کی فکر کریں کہ انسان ایک عالی خودی بھی رکھتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس عالی خودی کی انتہا کیا ہے؟ مادیین نے اپنے نظریئے کی توجیہ کی اور ان کے مکاتب میں سے ایک نے کہا کہ انسان میں دو طرح کی خودی ہوتی ہے۔

۱۔ انفرادی اور ۲۔ کلی

انفرادی خودی یہ ہے کہ انسان اپنے کو ایک فرد کی صورت سے احساس کرتا ہے کلی خودی سے مراد انسانیت ہے جو تمام افراد میں پائی جاتی ہے اور اسی وجہ سے ہر انسان انسان دوست ہوتا ہے مگر یہ بات درست نہیں بلکہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ وہ لوگ کلی کے معنی ہی نہیں سمجھتے اور اس مفہوم تک ہی نہیں پہنچ سکے۔

تمام بزرگ فلاسفہ خصوصاً اسلامی فلاسفہ نے حقیقتِ کلی کے بارے میں بڑی گرانبہا تحقیقات کی ہیں۔ مادیین کا خیال یہ ہے کہ وہ ''میں'' اور خودی جو ایک شریف انسان

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں ہے اور وہ شرافت کا احساس کرتا ہے وہی دوسرے انسانوں کی ''میں'' اور خودی ہے یہ ''میں'' طبیعت سے باہر نہیں ہے یہی کلِ طبیعت ہے اور جہاں انسان اپنی ''میں'' اور انفرادی خودی کا احساس کرتا ہے تو وہی ناپاک ''میں'' ہے اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ جہاں انسان کلی خودی کا احساس کرتا ہے اور اپنے کو انسانِ کلی محسوس کرتا ہے تو یہی مقدس خودی ہے۔

ژان پال سارتر دوسری چیز کہتا ہے وہ کہتا ہے انسان ایک حقیقی خودی رکھتا ہے اور ایک مجازی خودی۔ انسان کی حقیقی خودی یہ ہے کہ کوئی خودی ہی نہ رکھتا ہو یعنی آزاد ہو۔ ہر خودی جو تم انسان کے لئے فرض کرتے ہو تو اس کے لئے طبیعت و ماہیت اور سرشت فرض کرتے ہو حالانکہ انسان سرشت و ماہیت اور خودی کے بغیر ایک موجود ہے یہاں کہ وہ ایک ''میں'' رکھنے سے بھی آزاد ہے اور یہی انسان کا جوہر ہے اور جونہی انسان ایک خودی پیدا کرتا ہے اصلی و حقیقی خودی بھی ہاتھ سے کھو دیتا ہے۔

اس نظریئے کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ایک بے ربط بات ہے اگر چہ قابل توجیہ ہے جس کی ہم کچھ وضاحت کریں گے۔

ایک دوسرا نظریہ مارکسیوں کا ہے وہ بھی انسان میں دو خودی تجویز کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رکھتے اس لئے کہ وہ انسان میں اس میلان کے وجود کا انکار نہیں کر سکتے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ انسان میں اختصاصی خودی بری ہے اس کے ساتھ مبارزہ کرنا چاہیئے اور اشتراکی خودی شریف ہے اسے تقویت دینی چاہیئے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ انسان پر ایک زمانہ ایسا گزرا جس میں ''میں''، ''ہم''، ''تو'' سے کوئی سروکار نہ تھا اس لئے کہ مالکیت نہ تھی۔ ایک خانوادہ کے افراد کے مانند کہ ایک ہی خودی انہیں خانوادہ تشکیل دیتی ہے اسی طرح سب خودی ایک ہی خودی تھی۔

ہم ان سے کہیں گے کہ خانوادگی کی خودی، یہ محدود خودی، مالکیت سے پیدا ہوئی ہے اور افراد و بشر اسی کے اثر سے ایک دوسرے سے جدا ہوئے ہیں۔ میرا لباس، میری مالکیت کی سند، میری دولت، گویا افراد قطروں کے مانند تھے اور سب ایک ہی دریا میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

غوطے کھا رہے تھے یہ تمام قطرے ایک ہی پانی کے حکم میں تھے ایک ہی دریا میں جمع اور ایک دوسرے سے متحد تھے پھر مالکیت کے اثر سے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے مارکسی لوگوں نے تو یہ ایک تاریخی مسئلہ بیان کیا ہے۔

البتہ مولانا رومی اس سے بلند و بالا مقصد و مفہوم اور ایک عرفانی مسئلہ بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں:

منبسط بودیم و یک گوہر ہمہ	بے سر و بے پا بدیم آں سر ہمہ
یک گہر بودیم ہمچوں آفتاب	بے گرہ بودم و صافی ہمچو آب

ہم گستردہ و کشادہ تھے اور سب کے سب ایک ہی جوہر تھے بے نام و نشاں تھے آفتاب کی طرح ایک ہی گہر تھے بے گرہ تھے اور پانی کی طرح صاف شفاف تھے۔

مارکسی کہتے ہیں کہ وہ خودی جس سے مبارزہ کرنا چاہئے وہ اختصاصی اور مالکیتی خودی ہے اگر تم خصوصی مالکیت کے ساتھ مبارزہ کرتے ہو تو اخلاقی فساد و خرابی کا خاتمہ کر رہے ہو اس لئے کہ تمام اخلاقی برائیوں کی جڑ مالکیت ہے اگر تم ایک اجتماعی و اشتراکی خودی برقرار کر لیتے ہو تو تمام اخلاقی محاسن کو حاصل کر سکو گے۔

اس نظریئے کا جواب بھی یہی ہے کہ تمہاری یہ بات مذکورہ بالا اشعار سے بہت مشابہ ہے۔ کیا جو چیز انسانی افراد کے درمیان دیوار کھینچتی ہے اور سب کی خودی کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے وہ صرف مالکیت میں منحصر ہے؟ کیا زندگی کے تمام عطایا مواہب انہیں عطایا میں منحصر ہیں جو دولت سے وجود میں آتے ہیں؟ کیا انسان کی زندگی میں دوسرے مواہب وجود نہیں رکھتے؟ کیوں وجود رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی میں دوسرے مادی و معنوی مواہب بھی موجود ہیں۔

کیا واقعاً ایک خانوادے کے افراد جو ایک ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور مالکیت میں اشتراک رکھتے ہیں تو ان کے درمیان تمام بھائی بہنوں سے کلی طور پر میں اور ہم کا فرق مٹ جاتا ہے؟ یا نہیں؟ دوسری چیزیں بھی ہیں مثلاً عہدہ و منصب وغیرہ کیا یہ چیزیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں اور ہم کا فرق ایجاد نہیں کرتیں؟ کیا اشترا کی معاشرے اور سماج مال و دولت کو مشترک طور پر برابر برابر تقسیم کرتے ہیں؟ یہ لوگ صرف باتیں تو کرتے ہیں عمل نہیں۔ عہدہ و منصب، شہرت و مقبولیت قدرت و طاقت کیا سب برابر برابر تقسیم ہوتی ہے؟ کیا واقعاً ایک کاریگر جو کسی لوہے کے کارخانے میں کام کرتا ہے جسے صرف روٹی اور پانی دیا جاتا ہے وہی قدرت و طاقت رکھتا ہے جو مسٹر برژنیف رکھتے ہیں؟ کیا انسان کے لئے قدرت و طاقت اساس و بنیاد نہیں ہے اور جب انسان طاقت پر دولت کو فدا کرتا ہے تو کیا یہ عطا و بخشش نہیں؟ اسی طرح ہزاروں مواہب وعطایا جنہیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

یہ گزر چکا ہے کہ انسان کی اخلاقی قدروں میں انہیں مادی مواہب عطایا کا ایک ایسا سلسلہ ہے جو جماعتی اشتراک کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہ انسان جنگ میں اپنے کو دوسرے انسانوں پر فدا کر دے یا دوسرے انسانوں کے مقابلے میں حق کے لئے عدل وانصاف سے کام لے یہ تمام چیزیں انفرادی ہیں اجتماعی نہیں ہوسکتیں اس لئے اسلامی نقطۂ نظر سے تمام اخلاقی احساسات کی جڑ اور بنیاد کرامت وشرافت، عزت وعظمت اور قدرت وطاقت غرض سب کے سب احساسات انسان کی حقیقی خودی اور وہی نفخۂ الٰہیہ قرار پاتے ہی جس کے لئے ارشاد ہوتا ہے: **وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ**

اسلام کے نقطۂ نظر سے اخلاق میں کامل انسان وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو دوسروں سے بہتر پہچانا ہے اور شرف وکرامت کا اپنی ذات میں دوسروں سے زیادہ احساس کیا ہے۔

انسان شناسی

ایک قدیم ترین حکیمانہ اصول جو انبیاء کرام علیہم السلام نیز بزرگ حکماء سے انسان تک پہنچا ہے اور جس نے اپنے وثوق و اعتبار کو ہمیشہ محفوظ رکھا ہے بلکہ تدریجاً جس کی قدر و قیمت اور زیادہ ہی ظاہر ہوئی ہے وہ انسان شناسی ہے بزرگوں کا یہ مشہور ومعروف جملہ ہے۔ اے انسان اپنے کو پہچان! احادیث واخبار میں یہ حقیقت مختلف تعبیرات کے ساتھ معصومین کی زبان سے بیان ہوئی ہیں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

من عرف نفسه فقد عرف ربه

جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے خدا کو پہچان لیا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: کن طبیب نفسك اپنے نفس کا طبیب بن یا فرماتے ہیں:

فانك قد جعلت طبيب نفسك و عرفت آية الصحة و بين لك الداء و دللت على الدواء

اے انسان تو اپنے نفس کا طبیب ہے تیری دردوں کو بھی بیان کر دیا گیا ہے اور ان کی دواؤں کی طرف رہنمائی کر دی گئی ہے۔[1]

سقراط جس کے زمانے کو گزرے ہوئے اڑھائی ہزار سال ہو چکے ہیں اس کا ایک اہم جملہ جو باقی رہ گیا ہے وہ یہی جملہ ہے "اے انسان اپنے کو پہچان" یہ جملہ دو مقاصد کے لئے بیان ہوا ہے۔

ا۔ اپنے کو پہچان تا کہ خدا کو بھی پہچان سکے۔ گاندھی جی کہتا ہے کہ میں نے (اپنشدس UPANISHADAS) اور ہندوستان کی قدیم ترین مذہبی و عرفانی کتابوں سے تین اصول فراہم کئے ہیں جو میری زندگی کا دستور العمل بن چکے ہیں۔

ا۔ یہ کہ دنیا میں ایک ہی شناسائی وجود رکھتی ہے اور وہ "خودی" ہے

۲۔ یہ کہ جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے خدا کو بھی پہچان لیا: اسی منزل پر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اپنشدس (UAPNISHADS) ہزاروں سال پرانے مسائل اور نصائح ووصایا جو جو انسان کی میراث کی حیثیت سے باقی ہیں ان میں سب سے اہم مسئلہ یہی ہے آج بھی خصوصاً آخری صدی اور موجودہ زمانے میں انسان کا سب سے اہم اور باقدر مسئلہ یہی شمار کیا جاتا ہے کہ جس انسان نے اپنے کو پہچان لیا

---

[1] تحف العقول صفحہ ۲۲۴

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس نے دنیا کے اصلی راز یعنی خداوند عالم کو پہچان لیا۔ (تیسرا اصول اس بحث سے متعلق نہیں ہے اس لئے بیان نہیں کیا گیا)

۲۔ اپنے کو پہچان، کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو سکے اس زندگی اور اس دنیا میں کیا کرنا چاہئے اور کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اگر تو اپنے کو نہیں پہچانتا تو تجھے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ دنیا میں تیری رفتار کیونکر ہونی۔ چونکہ ''اخلاق'' ملکات کا ایک سلسلہ ہے اس وجہ سے ''کیونکر جینا چاہئے اور کیونکر رہنا چاہئے'' کی طرف اس کی بازگشت ہوتی ہے۔ لہٰذا اخلاق علمی کے نقطۂ نظر سے انسان کے اس اہم ترین مسئلے کو سمجھنے اور جاننے کا منبع اور سرچشمہ خودی ہے کہ مجھے کیسا ہونا چاہئے اور مجھے کیسی زندگی اختیار کرنی چاہئے۔

پہلی اصل کی ہم توضیح بیان کرتے ہیں کہ اگر انسان نے اپنے کو پہچان لیا تو خدا کو پہچان لیا۔ قرآن مجید نے مسئلہ خودشناسی کے متعلق ایک جداگانہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ بہ ایں معنی کہ قرآن مجید میں سراسر عالم طبیعت و عالم خلقت سب ''آیت'' ہیں اور خداشناسی کا درس ہیں۔ خلقت کے تمام واقعات اور آسمان و زمین کی پیدائش غرض ساری چیزیں قرآن کے نقطۂ نظر سے پروردگار عالم کے وجود مقدس کی آیات و علامات اور نشانیاں ہیں۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

بے شک آسمان و زمین کی آفرینش اور رات اور دن کے بدل بدل کے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ [۱]

اگرچہ قرآن مجید میں اس قسم کی آیات بکثرت ہیں اور قرآن تمام عالم کو حق تعالیٰ کی کتاب جانتا ہے اس کتاب کی ہر ہر سطر اپنے مؤقف اور اس کے علم و حکمت پر دلالت کرتی ہے باوجود اس کے انسان کے نفس کے لئے جداگانہ حساب رکھا ہے انسان اس سے بلند و برتر اور اس سے کہیں زیادہ درس و عبرت رکھتا ہے جتنی مثلاً ایک درخت میں پائی جاتی

[۱] سورۂ آلِ عمران: ۱۹۰

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے درست ہے کہ:

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار	ہرورقش دفتری است معرفت پرود گار

سر بز درختوں کا ہر ہر پتہ عقل مند انسان کی نظر میں معرفت پروردگار کا ایک دفتر ہے پھر بھی انسان اپنی ذات سے سب سے زیادہ قریب ہے اپنے اندر ایسی عبرتیں رکھتا ہے جو دوسری چیزوں میں نہیں ہیں۔ انسان میں کچھ ایسی چیزیں ہیں جو دوسرے طبیعی موجودات میں مشترک ہیں مثلاً اعضاء کے وظائف اور فیزیالوجی یہ سب معرفت باری تعالی کی دلالت میں شریک ہیں۔ جس طرح درختوں کے پتے دلالت کرتے ہیں اسی طرح انسان کی انگلیاں بھی دلالت کرتی ہیں۔ انسان کے ناخن بھی دلالت کرتے ہیں بلکہ انسان کا ایک ایک بال بھی دلیل ہے۔ اس جہت سے انسان دوسری چیزوں سے مشابہ ہے مگر وہ درس اور وہ دلالت عبرت جو خود انسان کے نفس کے ساتھ مخصوص ہے (وہ دوسری چیزوں میں نہیں پائی جاتی) مثلاً اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾

یعنی مقام یقین تک پہنچنے والوں کے لئے زمین میں نشانیاں موجود ہیں۔ [1]

بے شک سبھی چیزیں زمین میں موجود ہیں انسان بھی زمین ہی میں ہیں زمین سے باہر نہیں ہے مگر پھر بھی خداوند عالم انسان کے متعلق فرماتا ہے وَفِي أَنفُسِكُمْ یعنی تمہارے نفسوں میں بھی نشانیاں موجود ہیں۔ یہاں یہ جملہ صرف انسان کی ذات سے اختصاص وخصوصیت رکھتا ہے یا دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ

ہم عنقریب ان کو اطرافِ عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی

---

[1] سورۂ الذاریات: ۲۰

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اپنی نشانیاں دکھائیں گے تاکہ ان پر ظاہر ہوا جائے کہ وہ حق ہے۔[۱]

یہاں آفاق اور عالم بیرون کا جداگانہ ذکر فرمایا ہے اور خود انسان کا ذکر جداگانہ۔

اس طرح کی تعلیمات بہت زیادہ موجود ہیں۔ ہمیں ان عرفانی تعلیمات سے بالفعل کوئی سروکار نہیں ہے کہ سالک کثرت سے مراقبے کے بعد اپنے دل کے گوش و چشم کو کھولتا ہے اور باطنی آنکھوں سے عالم ماوراء طبیعت کا مشاہدہ کرتا ہے اور کم سے کم حضرت مریم علیہا السلام دختر عمران کے مرتبے تک پہنچ جاتا ہے کہ فرشتے ان سے حالت عبادت میں گفتگو کرتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں صرف ان افراد ہی کے لئے مخصوص ہے جنہوں نے کم از کم سیر و سلوک اور مراقبہ کیا ہے اور کچھ پردہ کشائی بھی کی ہے آپ کہیں گے کہ اگر ان کا نام لیں گے بھی تو ہم کہیں گے کہ ہم تو ایسے نہیں ہیں یہ تو ایک مخصوص گروہ کے لوگ ہیں۔ جو چیزیں تمام افراد میں پائی جاتی ہیں ہم اس سے یہاں پر بحث کریں گے منجملہ ایک مسئلہ یہ ہے کہ یہ عالم طبیعت مستقل طور پر ہمیشہ رواں دواں ہے اس دنیا کی کوئی چیز دو لحظے بھی ایک حالت پر نہیں رہتی روز بروز علم جس قدر پیش رفت اور ترقی کر رہا ہے، یہ حقیقت بھی مزید ثابت ہوتی جا رہی ہے۔

ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ یہ تو سفسطہ[۲] ہے اس لئے کہ ہم کل اس عمارت کو جس حال میں دیکھ رہے تھے یہ آج بھی اسی حالت میں دیکھ رہے ہیں آج اور کل اس میں کوئی فرق اور تفاوت محسوس نہیں کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تمام تغیرات محسوس ہوتے تو مقصد حل ہو جاتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے حواس ایک معین حد تک تغیراتِ عالم کا احساس و ادراک کر سکتے ہیں کان، آنکھ اور لامسہ دو حدوں کے درمیانی تغیر کو محسوس کرتے ہیں اگر ان دو حدوں کے علاوہ ہو تو درک نہیں کر سکتے۔ اگر ہم سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ نہیں تو بدیہیات کے خلاف کہہ رہا ہے اس لئے کہ ہم بھی کان رکھتے ہیں اگر موجود ہوتیں تو ہم بھی سنتے حالانکہ ہم کچھ بھی نہیں سنتے۔

---

[۱] سورۂ فصلت: ۳۵

[۲] سفسطہ: استدلال و قیاس باطل، غلطی میں ڈالنا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہمارا یہ کہنا اور ہمارا یہ استدلال بالکل درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر صوتی موجیں حد معین سے پست یا بلند ہوں گی تو ہمارے لئے سننا ممکن ہی نہیں جس طرح ایک ریڈیو دور کی لہریں نہیں پکڑ پاتا تو نہ پکڑنا اس بات کی دلیل ہے کہ لہریں موجود ہی نہیں ہیں یا اس بات کی دلیل ہے کہ ریڈیو کی قوت گرفت ایک معین حد تک ہے؟ انسان صوتی لہروں میں ۱۶ ہزار سے نیچے کی لہر اور ۳۲ ہزار سے بلندی کی لہر نہیں سن سکتا۔ اگر آواز کی لہر ۳۲ ہزار سے بالاتر ہو جائے تو ممکن ہے کہ وہ بہرا کر دینے والی آواز ہو لیکن ہم بالکل نہیں سن پاتے اور کمال آرام و اطمینان سے اپنا کام کرتے ہیں جب کہ یہ ممکن ہے کہ ایک حیوان اسے سن رہا ہو۔ مثلاً کہتے ہیں کہ چوہا ۴ لاکھ موجوں کو سنتا ہے۔ انسان کی آنکھ دنیا میں ایک معین حد تک حرکات کا ایک سلسلہ درک کرتی ہے، مثلاً اگر حرکت بالکل ہلکی اور خفیف ہو جیسے گھڑی کی سوئی، تو ہماری آنکھ اس حرکت کو محسوس نہیں کر پاتی معلوم ہوتا ہے کہ سوئی اپنی جگہ جمی اور رکی ہوئی ہے مگر سیکنڈ کی سوئی کی حرکت خوب اچھی طرح دکھائی پڑتی ہے اس لئے کہ وہ تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہے۔ منٹ کی سوئی کی حرکت اگر چہ آنکھ کو دکھائی نہیں دیتی مگر عقل کہتی ہے کہ سوئی حرکت کر رہی ہے کیونکہ ایک گھنٹے پہلے یہ سوئی ۷ پر تھی اور اب ۸ پر ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ ہماری آنکھوں کو بے حس اور غافل بنا کر یکا یک سوئی اڑ گئی ہو ہم یقین رکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا بلکہ یہ پانی کی طرح ایک ہلکی اور خفیف طبیع حرکت ہے پانی بھی مستقل طور پر ہمیشہ ایک حرکت میں رہتا ہے۔ جن لوگوں نے حرکت جوہر یہ اور دوسری حرکات کو ثابت کیا ہے اور ایک گروہ کو اپنا ہمنوا بھی بنالیا ہے ان کا کہنا ہے کہ ہم دنیا میں جو کچھ ساکن چیزوں کی صورت میں مشاہدہ کرتے ہیں وہ بالکل ایک نہر کے پانی کی طرح ہے کہ جب ہم اسے دیکھتے ہیں تو اس کی حرکت کی طرف متوجہ نہیں ہو پاتے اور خیال کرتے ہیں کہ یہ پانی ٹھہرا ہوا ہے حالانکہ وہ حرکت میں ہے۔

کسی شے کے حرکت میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کی وہ مقدار جو زماں کے ایک لمحے میں ہے وہ نہیں ہے اس کے اجزاء کی حرکت ایک دوسرے سے جدا کر کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نہیں دیکھی جاسکتی۔ اسی طرح دنیا کی تمام حرکتیں ایک مخصوص اور مشخص نظام کے ساتھ ہیں۔ انسان کا بدن بھی جو اسی دنیا کا جز ہے مستقل اور ہمیشہ رواں دواں ہے تمام خلایا CELL بلکہ تمام GENE اور وہ ذرات جس سے ایٹم کی تشکیل ہوتی ہے غرض ہر جسم ایک دائمی حرکت رکھتا ہے۔ جسم کے بعض وہ خلیہ جو ہمیشہ مرتے رہتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیہ آجاتے ہیں وہ بھی جب تک رہتے ہیں تبدیل ہونے کی حالت میں رہتے ہیں۔ دقیق علمی نقطۂ نظر سے ایک گھنٹے پہلے والا جسم بعد کے ایک گھنٹے والے جسم سے فرق رکھتا ہے۔ قدما نے طبی نقطۂ نظر سے کہا تھا کہ انسان کا جسم ہر سات سال کے بعد بدل جاتا ہے مگر دقیق فلسفی نقطۂ نظر سے ایک گھنٹے پہلے والا جسم ایک گھنٹے کے بعد بالکل وہی جسم نہیں رہتا تو پھر ایک سال پہلے والے جسم اور ایک سال بعد والے جسم میں یا دس سال پہلے والے جسم اور موجودہ جسم میں اور ۸۰ سال پرانے جسم اور موجودہ جسم میں کتنا فرق ہو جائے گا۔ یہ جسم طویل عمر میں ہزاروں بار تبدیل ہوتا ہے۔

یہ تو جسم کے متعلق تھا مگر ''میں'' اور حقیقی خودی کا حال کیا ہے؟ کیا وہ بھی تغیر اور تبدیلی کی حالت میں رہتی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے وجود میں حقیقی خودی تکامل اور افزائش پاتی رہتی ہے وہ اس قدر ساکن نہیں رہ سکتی ہے کہ اس کی جگہ دوسری خودی آجائے اس سلسلہ میں بوعلی سینا اور بہمن یار کا ایک مشہور واقعہ ہے۔

بوعلی سینا کے ایک شاگرد تھے جن کا نام بہمن یار تھا یہ آذر بائیجان کے رہنے والے تھے اور ابتداء میں زرتشی مذہب پر تھے بعد میں مسلمان ہوئے ایک روز بوعلی سینا نانوائی کی دکان پر گئے بہمن یار جو اس وقت بچے تھے نانوائی کی دکان پر آگ لینے کے لئے آئے اور نانوائی سے کہا کہ مجھے آگ جلانے کے لئے تھوڑی سی آگ چاہئے تو میں اسے گھر لے جاؤں گا نانوائی نے اس سے کہا کہ اے بچے آگ کو ہاتھ میں نہیں لے جاسکتا کوئی برتن لاتو آگ لے جا۔ اس چار پانچ سال کے بچے نے اپنا ہاتھ فوراً راکھ سے پر کر لیا اور کہا کہ آگ کو میرے ہاتھ کی راکھ کے درمیان رکھ دو۔ بوعلی سینا نے یہ سمجھ لیا کہ یہ بچہ باہوش بچہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے اوراس کے والدین کا پتہ چلا کر ان سے کہا کہ افسوس ہے کہ اس بچے کی استعداداور لیاقت و ذکاوت برباد ہو جائے اسے میرے سپرد کر دو یہ مستقبل میں ایک لائق و فاضل انسان ہوگا۔آخرانہوں نے بھی قبول کرلیااور بہمن یار کو بوعلی سینا کی شاگردی میں دے دیا۔ بہمن یار بوعلی سینا کے ایسے شاگرد ہوئے کہ انہوں نے ان کے بہت سے افکار کو پیش کیا اور''التحصیل'' کے نام سے فلسفے میں ایک کتاب لکھی ہے اس کتاب میں انہوں نے اپنے استاد کا اس موضوع کے سلسلہ میں مباحثہ بھی شامل کیا ہے۔

بہمن یار کا نظریہ یہ تھا کہ ہر چیز میں تبدیلی ہوتی ہے تنہا انسان کا جسم ہی نہیں بلکہ اس کی روح بھی تبدیل ہوتی ہے۔مگر کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کی روح تبدیل نہ ہوتی ہو؟ جس طرح کہ انسان کا بدن ایک لحظہ قبل دوسرا تھا اور ایک لحظہ بعد دوسرا ہو گیا۔کیا اسی طرح اس کی خودی بھی ہے جو ایک لحظہ پہلے تھی وہ بعد کے ایک لحظے سے غیر ہے۔

بوعلی سینا کہتے ہیں کہ جسم تو تبدیل ہوتا ہے مگر''میں'' اور خودی تبدیل نہیں ہوتی خودی ثابت و قائم ہے۔مگر بہمن مصر رہے اور اپنی بات پر اٹل رہتے ہوئے گفتگو جاری رکھے ہوئے تھے کہ یکا یک بوعلی سینا ساکت و خاموش ہو گئے۔بہمن یار نے پوچھا جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا وہ بوعلی سینا جس سے تم نے سوال کیا تھا وہ ایک لحظہ قبل والا بوعلی سینا تھا جو بعد والے لحظے میں نہیں رہا۔ایک لحظہ قبل سوال کرنے والا بھی بعد والے لحظہ میں نہیں رہا۔تم ہر ہر لحظہ جس میں سوال کر رہے ہو ایک نئے آدمی ہو اور ایک نئے مخاطب سے گفتگو کر رہے ہو بعد کے دوسرے لحظے میں نہ وہ سائل ہے نہ وہ مخاطب۔نہ بعد کے لحظہ میں تم رہے کہ جواب لو اور نہ میں رہا کہ جواب دوں۔اسی منزل پر بہمن یار خاموش ہو گئے اور بوعلی سینا کے نظریے کو قبول کرلیا۔

اگر انسان اپنی''حقیقی خودی'' کو پہچان لے اور سمجھ لے کہ کیونکہ یہ''خودی'' ایک شخص ایک حقیقی وحدت اور ایک حقیقت ثابت کی صورت میں اس سیال طبیعت میں وجود رکھتی ہے تو وہ سمجھ لے گا کہ دنیا بھی اسی طرح ہے۔عالم بھی مستقل رواں دواں اور متحرک

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہے، اک حقیقت ہے جو اس دنیا کی وحدت کو محفوظ رکھے ہوئے ہے اگر اافتاب و ماہتاب، ستارے اور زمین وغیرہ کی طبیعت کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تغیر و تبدل کی حالت میں ہیں مگر ان کے درمیان ایک بالاتر حقیقت وجود رکھتی ہے جو محافظ عالم ہے۔ جس طرح جسم کا وجود حقیقی روح رواں کے وجود سے ہے اسی طرح اس عالم کا وجود اس کا ماوراء طبیعی اور نا قابلِ تغیر حقیقت سے ہے اور وہ ذات ربوبی جلت عظمتہ ہے مولانا رومی کہتے ہیں:

خلق را چوں آب داں صاف و زلال	و اندر آں تاباں صفات ذوالجلال
شد مبدل آب ایں جو چند بار	عکس ماہ عکس اختر برقرار

یعنی مخلوقات کو صاف وشفاف پانی کی طرح سمجھو جس میں ذات ذوالجلال کی صفات روشن وتاباں ہیں اس نہر کا پانی کتنی بار بدل چکا ہے مگر مہ واختر کے عکس اپنی جگہ پر باقی ہیں۔

دوسرا مسئلہ انسان کی معنوی میل ورغبت کا مسئلہ ہے ولیم جیمس پہلا وہ شخص ہے جس نے دینی علم نفسیات کو تجربہ کی منزل میں لا کر اس کی آزمائش کی اس نے اپنی زندگی میں چالیس سال تک روحانی و مذہبی تجلیات پر روحوں کی آزمائش کی اور مذہبی نقطۂ نظر سے روحوں کو مرکز مطالعہ قرار دیا۔ اس نے صرف استدلالی اور قیاسی طور پر نہیں بلکہ تجربی اور آزمائشی طور پر چالیس سال کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ انسان کے وجود میں جس طرح طبیعت و مادہ کے میلانات کا ایک سلسلہ پایا جاتا ہے جو انسان کو طبیعت و مادہ سے وابستہ کرتا ہے اور طبیعت کے ساتھ انسان کے ارتباط کی بنیاد ہے اسی طرح میلانات کا ایک دوسرا سلسلہ بھی پایا جاتا ہے جو مادی معاملات سے موافقت نہیں رکھتا بلکہ طبیعت کے ساتھ انسان کی وابستگی سے تضاد رکھتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایک دوسرا عالم بھی موجود ہے اور وہ ہمارے احساسات ہیں جو ہمیں اس دوسرے عالم سے وابستہ کرتے ہیں۔

معنوی و الٰہی الہامات، خدا جوئی، نیکی اور معنویات کی تلاش جن کا ہمیشہ انسان میں وجود رہا ہے اور ہے وہ دوسرے ہی عالم کی طرف ان کی رہنمائی کرتی ہیں اس کے بالمقابل مادیت کی لہروں نے دنیا میں جو معنوی اور اخلاقی خلا پیدا کر رکھا ہے اس نے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

انسان کی مشکلات میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ یہ مبارزہ جو انسان کی فطرت کے ساتھ شروع ہوا ہے اس نے انسان کے لئے بڑے مسائل ایجاد کر دیئے ہیں مادیت کی یہ لہر جو دنیا میں اٹھی ہے جو زیادہ تر مغربی دنیا میں پائی جاتی ہے اور انسان کے لئے اپنے پیچھے جو مکاتب لائی ہے وہ کل کا کل ''کلیسا'' کی نادانیوں، خشونتوں اور کجرویوں کا شدید ردِ عمل ہے اور کلیسا کا جرمانہ آج ہمیں بھگتنا پڑ رہا ہے۔

جہالتیں، نادانیاں، خدا و قیامت اور روح کے متعلق کلیسا کی غلط تفسیریں اور اسی طرح سے عقائد کی تفتیش، گھٹن کا ماحول اور کلیسا کی خلاف آزادی و جمہوریت روش تھی جس نے دنیا کو اس حالت تک پہنچا دیا اور اپنے مقابلے میں دنیا سے یہ سوال اٹھوا دیا کہ یا تو مجھے علم قبول کرنا چاہیئے یا آزادی کو۔ مجھے خدا کو منظور کرنا چاہیئے یا جمہوریت اور عوامی حکومت کو۔ کلیسا نے ان چیزوں کے درمیان تضاد پیدا کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر خدا اور انسان کی سیکڑوں فطری ضروریات قرار دیا جائے تو عوام کی اکثریت فطری ضرورتوں کو ہی چاہے گی اور اکثریت نے ایسا ہی کیا بھی۔ کلیسا کے اسی طریقہ نے مادیت اور خدا کے خلاف لہر کو وجود بخشا۔ مادیت کی اس شدید لہر نے مختلف علل و اسباب سے مغربی دنیا کو اپنے لپیٹ میں لے لیا پھر مغربی دنیا سے کم و بیش مشرقی دنیا میں پہنچی مشرقی لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ مغربی لوگ جن حالات میں تھے وہ حالات اور تھے جن میں یہ لوگ ہیں۔ مادیت کے مفاد میں تھوڑا تھوڑا تعصب مشرق میں بھی پیدا ہوا ایسا تعصب جو کلیسا مذہب کے لئے رکھتا تھا یعنی جس طرح کلیسا نے ہر طرح کے زور و طاقت سے منطق و دلیل کے بغیر مذہب کی توجیہ کرنا چاہی اس طرح یہ بھی ہر طرح کے زور و طاقت سے مادیت کی توجیہ کرنا چاہتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے ہاتھ سے مادیت چھن نہ جائے اور یہ لوگ قرون وسطی کی طرف رجعت و بازگشت نہ کر جائیں لہٰذا یہ لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ انسان کے لئے خدا کی طرف لے جانے والی جتنی راہیں بھی کھلی ہوئی ہیں وہ تمام راہیں جو طبیعت و نفس کی طرف سے باز ہیں سب بند کر دیں اور چاہتے ہیں کہ توجیہ و تاویل کے ذریعہ سے ان تمام راستوں کو مسدود کر دیں اور کہہ دیں کہ یہ راستے ہی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

نہیں ہیں یہ قابلِ اعتماد ہی نہیں ہیں۔

انہیں راہوں میں سے معنوی میلانات بھی ہیں۔ مثلاً نمونہ کے طور پر شہد کی مکھی کی زندگی کو نظر میں رکھیں کہ جس کی زندگی بڑی تعجب آمیز اور مادی نظر سے ناقبل توجیہ ہے کہ ایک مکھی ان عجیب معلومات کو کیسے اور کہاں سے حاصل کرتی ہے قرآن صریحاً اعلان کرتا ہے۔

وَاَوۡحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِىۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا

اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھیوں پر وحی کی کہ پہاڑوں میں گھر بنا۔[۱]

یہاں پر ''وحی'' ماورائی الہام کی ایک قسم ہے جو شہد کی مکھی پر ہوتا ہے قرآن نے چیونٹی کے متعلق شہد کی مکھی سے بھی بڑھ کر فرمایا ہے قرآن بتاتا ہے کہ چیونٹی جس فہم وادراک کی مالک ہے وہ شہد کی مکھی سے بھی زیادہ ہے یہاں تک چیونٹیوں کے درمیان مکالمہ اور اعلان واخبار بھی پایا جاتا ہے اور یہ انکشاف ابھی صرف تقریباً پچاس سال پہلے ہوا ہے جب کہ قرآن مجید چودہ سوسال پہلے ہی فرما چکا ہے۔

جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر کے ساتھ جارہے تھے تو چیونٹی نے اس کو محسوس کرلیا اور چیونٹیوں کو حکم دے دیا کہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر چھپ جاؤ کہیں سلیمان علیہ السلام کا لشکر تمہیں پامال نہ کردے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنہیں خداوند عالم نے پرندوں اور پرندوں کے علاوہ دیگر مخلوقات سے بھی بات کرنا سکھایا تھا اسے محسوس کرلیا اور چیونٹیوں سے مکالمہ کیا۔ چیونٹیاں بہت ہی باریک اور چھوٹی چھوٹی ارسال کرنے والی اور وصول کرنے والی سینگیں رکھتی ہیں جن کے ذریعے سے وہ کچھ لہروں کو بھیجتی ہیں اور لہروں کو وصول کرتی ہیں اس طرح وہ اپنا مافی الضمیر ایکدوسرے کو سمجھا دیتی ہیں۔ یاد رہے کہ ان حشرات نے نہ کوئی مکتب دیکھا ہے اور نہ کوئی درس پڑھا۔ قرآن فرماتا ہے:

وَاَوۡحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ اس سے مقصود یہی الٰہی الہام ہے

[۱] سورۂ النحل: ۶۸

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

موریس مترلینگ یورپی اپنی کتاب ''شہد کی مکھی'' میں ان تمام چیزوں کو بیان کرتا ہے۔لیکن جب وہ ان حیرت انگیز اور تعجب خیز باتوں تک پہنچتا ہے کہ وہ کہاں سے معلومات فراہم کرتی ہے تو کہتا ہے کہ شہد کی مکھی کو اس کے چھتے کی روح وحی کرتی ہے۔بخدا ذرا آپ غور تو کریں یہ کس قدر غلط بات ہے چھتہ تو شہد کی مکھی ہی کا ایک جز ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔اگر ہم ان شہد کی مکھیوں کو چھتے سے جدا کر لیں تو چھتے کی حیثیت تو جمادات سے زیادہ نہیں ہے چھتے کی روح یعنی چہ؟ بالفرض چھتے کی روح نے وحی کیا ہے تو چھتے کی روح نے ان چیزوں کو کہاں سے اور کیسے سمجھا؟ چھتے کی روح شہد کی مکھی کی روح سے بلند نہیں ہے۔

مورس مترلینگ کیوں یہ کہتا ہے؟ اس لئے کہ خدا کا مسئلہ درمیان میں نہ آجائے اور خدا کا ذکر نہ ہو جائے پھر لوگ اس سے کہنے لگیں کہ جناب مترلینگ قطعاً کوئی خداوند عالم میں موجود ہے اور اگر کوئی خدا دنیا میں موجود ہے تو یہ تو ابھی ''الف'' کا مسئلہ ہے اس کے بعد ''ب'' پھر ''ت'' پھر ''ث'' پھر ''ج'' اور دوسرے ہزاروں سوالات سامنے آئیں گے پھر دنیا میں نہ آزادرہ سکو گے اور نہ آزاد زندگی گزار سکو گے۔ویسے آزاد جیسے یورپین لوگ کہتے اور پسند کرتے ہیں۔

ایک چالاک بچے کو مدرسے لے گئے معلم نے اس سے کہا کہو الف، اس نے نہیں کہا اور خاموش رہا۔معلم نے پھر کہا یہ تو بڑی آسان بات ہے کہو الف وہ اب بھی خاموش رہا۔معلم نے بہت کچھ کہا مگر سب بے سود دوسرے لوگ آئے اس کے والدین آئے سب نے اس سے کہا کہو الف مگر اس نے نہیں کہنا تھا نہیں کہا، لوگوں نے اس سے پوچھا کیوں نہیں کہتے اس نے کہا اگر میں کہوں الف تو یہ حرف تمام ہوتے ہی آپ کہیں گے کہو ب، ب کہوں گا تو آپ کہیں گے کہو ت، ت کہہ لوں گا تو آپ کہیں گے ث تو میں شروع سے الف ہی نہیں کہوں گا کہ آخر تک کہنے ہی سے چھٹکارہ مل جائے اور مجھے مدرسے سے نکال لے جائیں تا کہ میرے خیال کو بھی سکون مل جائے اگر میں الف کہہ دوں تو پھر تو میں گیا اب اپنی جوانی مدرسے میں گزار دوں۔یہی حال مورس مترلینگ کا ہے صرف اس لئے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کہ خدا درمیان میں نہ آنے پائے کہتا ہے کہ شہد کی مکھی کو چھتے کی روح وحی کرتی ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ معنوی و اخلاقی میلانات کسی مادی حساب سے میل نہیں کھاتے اس باب میں ایسے مسائل ہیں جو انفرادی نقطۂ نظر سے نقصان پر مبنی ہیں سب کا سب ضرر ہیں۔ مثلا! شہادت اور سماج کے لئے اپنی جان فدا کرنا۔ دوسروں کے فائدے کے لئے انصاف کرنا، عادل ہونا، توبہ کرنا۔

میں نے اس سلسلہ میں ایک وقت قرآنی آیات کو جمع کیا تو معلوم ہوا کہ قرآن کا فلسفہ و منطقِ خودی کے خلاف انقلاب کرتا ہے اور ان تمام خصوصیات کے ساتھ انسان اپنے خلاف انقلاب برپا کرتا ہے جو ایک انقلاب میں پائی جاتی ہیں وہ اپنے خلاف مقدمہ چلاتا ہے سزا دیتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے کتنی شیرین اور بلند بات کہی ہے جس وقت حضرت کی خدمت میں ایک شخص توبہ کرنے کے لئے آتا ہے تو حضرت فرماتے ہیں:

اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّیْ وَ اَتُوْبُ اِلَیْهِ

وہ شخص خیال کرتا ہے کہ کلمہ استغفار کا زبان پر جاری کر دینا ہی توبہ ہے حضرت نے اس کی سرزنش کی اور فرمایا:

ثکلتك امك اتدری ما الاستغفار، الاستغفار درجة العليين

تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے تو جانتا ہے کہ استغفار کیا ہے؟

استغفار نام ہے تمام گذشتہ گناہوں سے کامل پشیمانی اور پچھلے گناہوں کی طرف نہ پلٹنے کے اٹل فیصلے کا۔

استغفار یعنی خدا اور بندگان خدا کے فوت شدہ حقوق کا ادا کرنا حضرت کا یہاں تک فرمانا تو معمول کے مطابق ہے اس کے بعد انسان کا اپنے خلاف انقلاب برپا کرنے اپنی خودی کے خلاف شورش اور سزا دینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں وہ گوشت جو گناہوں سے تیرے بدن میں پیدا ہوا ہے اسے پگھلا دے۔ وہ گوشت جو لہو و لعب کی بیہودہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

محفلوں میں بدن پر چڑھا ہے وہ گھل کر پگھل جائے تجھے اس بدن کو اطاعت کی سختی کا وہی مزہ چکھانا چاہیئے جس طرح تو نے اسے معصیت کی چکھائی ہے اگر تو نے اس طرح عمل کیا تو تجھے حقیقی توبہ حاصل ہوگی۔ دنیا کے حقیقی توبہ کرنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

مرحوم حاجی میرزا جواد آقائے ملکی تبریزی جو اپنے زمانے کے بزرگ اہل معرفت تھے ان کو گزرے ہوئے تقریباً ۵۰ سال کا عرصہ ہوا ہے، موصوف کی قبر قم مقدسہ میں ہے میں جس وقت قم مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہوں تو میری آرزو ہوتی ہے کہ ان بزرگوار کی قبر کی زیارت کروں غرض مرحوم ملکی تبریزی اپنے استاد بزرگوار آخوند ملا حسین قلی مرحوم ہمدانی جو اپنے زمانہ میں عجائب اہل معرفت سے تھے کا ذکر کرتے ہوئے اپنی بعض کتابوں میں تحریر کرتے ہیں کہ مرحوم آخوند کے پاس ایک شخص آیا مرحوم آخوند نے اس کو توبہ کرنے کا حکم دیا۔ ۴۸ گھنٹے کے بعد جب وہ آدمی آیا تو ہم نے اسے پہچانا نہیں وہ شخص اس قدر متغیر اور دگرگوں ہوگیا تھا کہ ہمیں یقین نہیں ہوا کہ وہی شخص ہے جو اڑتالیس گھنٹے پہلے تھا۔ آخوند مرحوم نے فرمایا تھا میں اس خصلتِ انسانی کے نقطۂ نظر سے مورد مطالعہ قرار دوں گا کہ ایک مرتبہ انسان بازگشت کرتا ہے اور اپنے خلاف شورش وانقلاب برپا کرتا ہے تو یہ تبدیلی کیا توجیہ رکھتی ہے؟ یہ کیا ہے؟ کون ہے؟ وہ کس کے خلاف قیام کرتا ہے؟ یہ انسان کے لئے سبق ہے بہت بڑا درس ہے۔

من عرف نفسه فقد عرف ربه[1]

جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

اخلاقی میلانات جو ایک فرد کے مفاد ومنفعت کے ساتھ اصلاً سازگار نہیں ہیں اور جن کا نام فقط سماج اور انسان کی خدمت ہے۔ سماج کی بقا کے لئے خود کو فنا کرنا سماج کی فلاح و بہبود کے لئے اپنے کو محروم کرنا، سماج کی آسائش و آرام کے لئے اپنے کو رنج و مصیبت میں ڈالنا وغیرہ وغیرہ یہ وہ چیزیں ہیں جو کسی مادی حساب کے ساتھ جوڑ نہیں رکھتیں۔

---

[1] غرر الحکم ۲ ص ۶۲۵

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے یہ توجیہ کرنا چاہی ہے اور کہا ہے کہ یہ سماج اور معاشرہ کی روح ہے جو اس انسان پر وحی کرتی ہے کہ وہ ایسے کام انجام دے۔ یہ توجیہ بھی ویسی ہی ہے جیسی توجیہ مترلینگ نے چھتے کی روح کے متعلق بیان کی ہے سماج کی روح الہام کرتی ہے یعنی چہ؟ سماج کی روح کیا ہے؟ سماج یعنی ایک خاص ترکیب کے ساتھ افراد کا مجموعہ۔

سماج اپنے افراد کے ساتھ کوئی مستقل وجود نہیں رکھتا۔ یہ افراد کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے۔ سماج ایک اعتباری وجود روح رکھتا ہی نہیں تو پھر روح دے کیسے سکتا ہے؟ بالفرض اگر سماج روح رکھتا ہے تو سماج نے اس روح کو کہاں سے حاصل کر کے الہام کیا؟ سماج کی روح کو کس نے الہام کیا ہے اس کو بتائے؟ اس کے علاوہ الٰہیون جو کہتے ہیں کہ یہ خداوند عالم ہے جو انسان پر الہام کرتا ہے جس طرح سے یہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم کسی عمل کو بغیر بدلے کے نہیں چھوڑتا یہ محال ہے کہ وہ کسی انسان سے کہے کہ تو اپنی ہستی کو بلا کسی سبب کے کسی چیز پر فدا کردے بلکہ اس کے بدلے خداوند عالم کی طرف سے جزا ہے۔ اسی طرح یہ عمل بھی ایک حکیمانہ فعل ہے جزا نہیں ہے۔

لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ کوئی ماوراو جود ہی نہیں ہے یہ سماج اور معاشرہ کی روح ہے جو اس بدبخت انسان کو الہام کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اپنے کو آگ میں ڈال دے تاکہ دوسرے لوگوں کو نجات مل جائے اس کے بعد وہ اپنے کو آگ میں ڈال کر ہمیشہ کے لئے پردہ عدم میں چلا جاتا ہے اور تمام ہوجاتا ہے۔ یہ سب فرار اور خوف کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کہیں مادیت رخصت نہ ہوجائے اور خدا و مذہب نہ آجائے۔ ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ ایسا اس لئے ہے کہ من مانی آزادی ختم ہوجائے گی قرونِ وسطیٰ کی طرف پلٹ جائیں گے لوگ مذہب کو لائیں گے اگر ہم مذہب کو قبول کرلیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم نے قبول کرلیا ہے کہ قرون وسطیٰ پلٹ کے دوبارہ آجائیں۔ اہل یورپ سے قرون وسطیٰ کی تعبیر و تمثیل کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ تعجب ہمارے لوگوں سے ہے کہ کبھی کبھی ایران میں ہمارے عوام قرونِ وسطیٰ کی بات کرتے ہیں حالانکہ انہیں پتہ نہیں ہے کہ قرون وسطیٰ اہل یورپ کے لئے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

یورپ میں قرونِ وسطیٰ یعنی دور انحطاط۔لیکن ایرانیوں کے لئے قرونِ وسطیٰ دورِتمدن و ثقافت ہے دورافتخار ہے ایک ہزار سال پہلے یعنی ابوریحان بیرونی، بوعلی سینا، فارابی، ابن رشد وغیرہ کا زمانہ ایران اور ایرانی کی نظر سے انسانی تمدن وثقافت کا ایک روشن ترین دور ہے۔اے ایرانی اب تو کیوں یورپ کی تاریخ کو اپناتا ہے؟ آج دنیا میں بوعلی سینا کا مجسمہ لگایا جارہا ہے۔اگر آج ابوریحان بیرونی دنیا میں موجود ہوتے تو لوگ ان کے قدموں کا بوسہ لیتے۔اہل یورپ کہتے ہیں قرونِ وسطیٰ! مگر ہم قرونِ وسطیٰ نہیں رکھتے۔ہم دورِانحطاط رکھتے ہیں لیکن ہمارادورِانحطاط ان کے قرون وسطیٰ کے مقارن نہیں ہے ان کے قرونِ وسطیٰ ہمارے قرونِ جدید ہیں۔

من جملہ ان مسائل کے جن سے پیروانِ مادیت فرار کرتے ہیں ایک مسئلہ خودی ہے یہ مسئلہ بھی آج روشن ہوا ہے جب کہ قرآن میں چودہ سو سال پہلے آچکا ہے۔اگر ہمیں یہ کہنا پڑے کہ یہ مسئلہ ایک شخص سے دوسرے شخص نے یکے بعد دیگر حاصل کیا ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ ان سب نے قرآن ہی سے لیا ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ قرآن نے ان سے حاصل کیا ہو۔چودہ سو سال پہلے قرآن نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ کبھی کبھی انسان اپنی خودی کو فراموش کر کے غیرخودی کو اپنی خودی سمجھ بیٹھتا ہے اخلاق کا مطلب ہے انسان کا اپنی اصلی اور حقیقی خودی دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بازگشت کرنا۔بعض کا خیال ہے کہ انسان کا اپنی اصلی اور حقیقی آزادی و بےخودی ہے۔انسان اس دنیا میں عین آزادی ہے نہ یہ کہ وہ ایک آزاد موجود ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ انسان حریت اور آزادی کو سبب بنائے تاکہ سمجھے کہ جہان کے لئے ایک خدا ہے۔یہ کہتا ہے کہ انسان کی حقیقی خودی آزادی ہے اچھا: اگر طبیعت اور مادہ ہوتا آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی اور وہ مادہ طبیعت کے جبر کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہ ہوتی انسان کی آزادی واختیار خود من عرف نفسہ فقد عرفہ ربہ کا ایک مصداق ہے۔

ان حقائق کے مقابلے میں ژواں پال سارتر کہتا ہے میں اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

دلیل سے کہ انسان آزاد ہے یہ کہتا ہوں کہ کسی خدا کا وجود نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر خدا موجود ہوتا تو پھر انسان آزاد نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی خدا ہوگا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا ایک ذہن رکھتا ہے جس نے ہماری طبیعت پہلے ہی سے اپنے ذہن میں تصور کر لی ہے۔ اگر میں خدا کے ذہن میں تصور کیا جاچکا ہوں تو پھر آزاد نہیں ہوسکتا، مجبور ہوں گا کہ مجھے ویسا ہی ہونا چاہئے جیسا خدا کے ذہن میں ہوں۔ کیا خدا کے یہی معنی ہیں؟

یہ لوگ کس قدر بے خبر اور نا آگاہ ہیں اگر ایسا ہی ہو جیسا کہ سارتر نے بیان کیا ہے تو پھر وہ خدا نہیں ہے بلکہ وہ تم لوگوں کی طرح ایک موجود ہے جس کا نام تم لوگوں نے خدا رکھ لیا ہے۔ انسان چونکہ ایک نفخۂ الٰہی ہے اس لئے وہ طبیعت اور طبیعت کے جبر سے آزاد ہوسکتا ہے ورنہ اگر انسان یہی جسم ہے اور اس کا ارادہ انہیں ایٹمی حرکات سے قہراً پیدا ہوا ہے اگر انسان کا ارادہ وفکر، طبیعت و مادہ کی جبری خاصیات ہوں تو اس صورت میں آزادی کوئی مفہوم نہیں رکھتی اور اس لحاظ سے کہ انسان ایک آزاد ارادہ رکھتا ہے۔ خود ارادہ کہاں سے آیا ہے؟ مسٹر سارتر کم از کم آپ کو یہ تو اجازت نہیں دینی ہوگی کہ کوئی یہ کہہ سکے کہ آپ انسان کے لئے ایک مافوق طبیعت قدرت کے قائل ہیں اور اس کو قاہرِ طبیعت جانتے ہیں۔

سارتر روح کو اصل اور طبیعت کو فروع جانتا ہے حالانکہ اصولاً گفتگو اصل وفروع کی نہیں ہے یہ دونوں ہی قاہر طاقتیں ہیں انسان میں طبیعت اور انسان میں ماوراءِ طبیعت انسان چونکہ ایک ماوراءِ طبیعی شعلہ اور فیض ہے اس لئے وہ اپنی طبیعت پر مسلط ہوسکتا ہے۔ اپنی طبیعت کو بدل سکتا ہے اور اس پر غالب آ سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ ایٹموں کی عین حرکت نہیں ہوگا بلکہ کچھ اور ہوگا۔ رہا یہ کہ انسان آزدی کے علاوہ کوئی خودی نہیں رکھتا یہ ایک غیر اصولی بات ہے۔ سارتر نے اس مطلب کو ''اصالۃ الوجود'' کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے مگر اسلامی فلاسفہ اور دانشور اس چیز کو اس عنوان کے تحت قرار نہیں دیتے البتہ سارتر کی کچھ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

باتوں کوتسلیم کرتے ہیں۔مثلاً یہ کہ انسان اپنی شخصیت کو بناتا ہےاور اپنے وجود کا انتخاب کرتا ہےوہ طبیعی اشیاء کے مانند نہیں ہے کہ جو کچھ طبیعت میں ہے وہ وہی چیز ہے جو خلق ہو چکی ہے علاوہ انسان کے کہ وہ وہی چیز ہے جو آئندہ بننا چاہتا ہے۔

البتہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ انسان وہی چیز ہے جو آئندہ بننا چاہتا ہےتو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان فاقدِ سرشت وفطرت وطبیعت ہے،نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ انسان کی سرشت ایک ایسی سرشت ہےاور اسی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جیسی چاہے ویسی ہو سکتی ہے۔آیا انسان ایک ایسا موجود ہے جو فکر کرتا ہے یا انسان ایک ایسا موجود ہے جو جیسا چاہتا ہے ویسا ہوسکتا ہےاس بارے میں اسلامی دانشمندوں نے ژواں پال سارتر سے بہت اچھی بحث کی ہے۔اسلامی فلاسفہ میں صدرالمتألھین شیرازی رضوان اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں سب سے اچھی بحث کی ہے۔

بنیادی طور پر یہ بحث قرآنی اصل رکھتی ہے کہ انسان ایک ایسا موجود ہے جو جیسا چاہتا ہے ویسا ہوسکتا ہےقرآن کہتا ہے کہ ہرموجود جیسا ہے ویسا ہی رہے گا سوائے انسان کے جو قیامت میں مختلف صورتوں میں محشور ہوگا۔

يَّوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا ۞

جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ فوج درفوج آ ؤ گے۔[1]

اس آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان مجبور نہیں ہے کہ انسان ہی رہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے کو محفوظ رکھ کر انسان ہی رہےاور انسان بنائے اسی طرح وہ اپنے کو تبدیل کر کے ایک بھیڑیا، یا کتا یا سور بنا سکتا ہے۔

غرض یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ اپنے لئے کون سے ملکات اور صفات حاصل کرتا ہےاور کس زاویے سے سوچتا ہےاس بارے میں مولانا رومی نے بہت اچھا کہا ہے

اے برادر تو ہماں اندیشہ ای	مابقی تو استخوان و ریشہ ای

[1] سورۂ النباء:۱۸

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

گر بود اندیشہات گل، گلشنی	ور بود خاری تو ہیمہ گل خنی

اے بھائی تیری حقیقت تو وہی فکر واندیشہ ہے باقی اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ہڈی اور رگ وریشہ ہے۔ اگر تیری فکر پھول ہے تو تو بھی ایک گلشن ہے اور اگر فکر کانٹا ہے تو تو تو آگ کی بھٹی کا ایندھن اور خشک درخت ہے۔

اگر ہم مولانا رومی سے سوال کریں کہ انسان کیا ہے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ انسان ایسا موجود ہے جو سوچتا ہے اور فکر کرتا ہے یعنی انسان وہ موجود ہے جو سوال کرتا ہے کہ میں کیا ہوں؟ اس سے کہو کہ کس چیز کے بارے میں سوچتا ہے تا کہ میں تجھے جواب دوں کہ تو کیا ہے، حقیقت کے بارے میں سوچتا ہے؟ تو تو حقیقت ہے کہ خدا کے بارے میں فکر کرتا ہے؟ تو تو خدا کی مثال ہے۔ علی علیہ السلام کے بارے میں سوچتا ہے؟ تو علی علیہ السلام ہے اور اگر ایسے کام کے بارے میں سوچتا ہے جو ایک کتے کا کام ہے تو تو کتا ہے۔

اس بارے میں کہ انسان وہی چیز ہے جو وہ چاہتا ہے جو وہ سوچتا ہے۔ اہل بیت علیہم السلام کی احادیث میں تاکید کی گئی ہے کہ معصوم نے فرمایا ہے:

من احب حجراً حشرہ اللہ معہ

اگر انسان ایک پتھر کو دوست رکھتا ہے تو اسی پتھر کے ساتھ محشور ہوگا اس لئے کہ وہ خود ہی پتھر ہو جاتا ہے۔

اہل خراسان میں سے ایک شخص اہل بیت علیہم السلام کے عشق ومحبت سے سرشار بڑی زحمت ومشقت اور مصیبت کے ساتھ پیدل دور دراز کا راستہ اس طرح طے کر کے امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا کہ اس کی جوتیاں پارہ پارہ ہو چکی تھیں اور اس کے پیر زخمی ہو چکے تھے۔ اس نے امام علیہ السلام کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کا بارگاہ خداوندی میں شکر ادا کیا اور عرض کیا:

اے فرزند رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اہل بیت علیہم السلام کی محبت کے علاوہ کوئی اور چیز مجھے یہاں کھینچ کر نہیں لائی ہے اس کے بعد اس نے زخمی پیروں کو دکھایا۔ حضرت فرمایا جو شخص

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جسے دوست رکھتا ہوگا وہ اسی کے ساتھ محشور ہوگا یعنی اس کی حقیقت بھی وہی ہوجاتی ہے۔

گر در طلب گوہر کانی کانی	ور در پے جستجو جانی جانی
من فاش کنم حقیقت مطلب را	ہر چیز کہ در جستن آنی آنی

اگر تو کسی معدنی گوہر کی طلب میں ہے تو بھی معدن اور کان ہے اور اگر جان کے درپے ہے تو تو خود پرست ہے میں تم سے حقیقت بیان کرتا ہوں کہ جس شے کی تلاش کروگے اسی شے کے ضمن تمہارا شمار بھی ہوگا۔

عقیدہ کی قدر و قیمت

ہر عقیدہ کی قدر و قیمت اور اہمیت دو طرح کی ہوتی ہے نظری اور عملی۔ ایک عقیدہ کی نظری اہمیت یعنی اس عقیدہ و نظریہ کا حقیقت و واقعیت پر منطبق کرنے کی حد، مثلاً فلسفی، اجتماعی اور عالمی نظریہ یا ہر دوسری طرح کا نظریہ۔ اس کی نظری و حقیقی اہمیت یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ آیا یہ نظریہ واقعیت کے ساتھ انطباق و یکسانیت رکھتا ہے یا نہیں؟ اس انطباق کے سمجھنے کا راستہ اور ذریعہ کبھی علمی استدلال ہوتے ہیں، کچھ مواقع پر تجربہ و آزمائش و مشاہدہ اور بعض مواقع پر عقلی استدلال بھی۔ مثلاً بطلیموس نے کہا تھا کہ زمین مرکز عالم ہے اور افلاک ایک دوسرے پر محیط ہیں اور زمین کے مرکز کے گرد گھوم رہے ہیں اس کے بعد ایسے فلسفی اور دانشمند پیدا ہوئے جنھوں نے اس نظریہ کو تبدیل کر دیا۔ اس سلسلہ کا پہلا دانشمند کپرنیکس ہے جس نے کہا کہ ''نہیں'' سورج مرکز ہے زمین نہیں اور سورج بھی نظام شمسی کا مرکز ہے دنیا کا نہیں۔

بطلیموس یا کپرنیکس کے اس نظریہ اور فکر کی نظری ارزش و اہمیت یہ ہے کہ ہم تحقیق و استدلال اور تجربہ کریں اور دیکھیں کہ آیا بطلیموس کا نظریہ صحیح ہے یا کپرنیکس کا نظریہ درست ہے؟ واقعاً زمین مرکز ہے اور بقیہ اس کے ارد گرد گردش کرتے ہیں یا ایسا نہیں ہے بلکہ سورج مرکز ہے اور اس کے محور پر نظامِ شمسی چکر لگا رہا ہے۔

عملی ارزش و اہمیت اس معنی سے ہے کہ ہم کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے کہ ان

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

دونوں میں سے کونسان نظریہ صحیح اور حقیقت واقعیت کے مطابق ہے بلکہ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ عمل کے میدان میں ان دونوں نظریوں میں سے کونسا نظریہ انسان کے لئے زیادہ مفید ہے۔ نظریات کے جاننے اور سمجھنے کے سلسلہ میں جو مسائل ہیں انہیں مسائل میں سے ایک مسئلہ دینی اعتقادات کا ہے سب سے پہلی دینی اصل خدا کا وجود اور اس کی واحدانیت ہے جو دونوں ہی ارزش و اہمیت کی حامل ہے۔

(۱) نظری اہمیت و ارزش اس کی یہ ہے کہ کیا واقعاً اور حقیقتاً ایسا ہی ہے اور دلیل و برہان اور استدلال بھی اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں یا نہیں؟

(۲) عملی اہمیت و ارزش اس کی یہ ہے کہ ہم دیکھیں کہ یہ عقیدہ انسان کی زندگی میں کیا تاثیر رکھتا ہے؟ آیا ایسا عقیدہ انسان کے لئے فائدہ مند ہے یا نقصان دہ؟

دین و عقیدہ کی نظری ارزش و اہمیت کی تحقیق علم کلام کی ذمہ داری ہے اسے عقیدہ کی عملی ارزش سے کوئی سروکار نہیں۔ علمِ کلام کا کام ان دلائل و براہین اور استدلال کی تحقیق کرنا ہے جو خدا کی وحدانیت عدل، نبوت، امامت اور قیامت کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں۔ علمِ کلام یہ واضح کرتا ہے کہ آیا یہ حقائق ہیں یا نہیں؟

عملی ارزش و اہمیت علمِ اخلاق کی ذمہ داری ہے کہ فکر و عقیدہ یہ ایمان انسان کے لئے کیا تحفہ لاتے ہیں اور انسان کی زندگی پر کس طرح کا اثر ڈالتے ہیں؟ اب ہم یہ دیکھیں کہ فکر و عقیدہ کس چیز کے تابع ہے؟ کیا وہ اس کے تابع ہے کہ دونوں طرح کی اہمیت رکھتا ہو یا نہیں اگر ان دونوں میں سے ایک بھی رکھتا ہو تو باقی رہنے کے لئے کافی ہے؟ یا اگر ان دونوں میں سے ایک ارزش بھی نہ رکھتا ہو تب بھی وہ اصولاً باقی رہ سکتا ہے یا نہیں؟ خلاصہ یہ کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک عقیدہ و نظریہ ایسا ہو جو حقیقت نہ رکھتا ہو اور انسان کے فائدہ کے لئے بھی نہ ہو اس کے باوجود بھی ہمیشہ باقی رہے؟ دوسرے یہ کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی عقیدہ و ایمان حقیقت رکھتا ہو مگر وہ انسان کے لئے نقصان دہ ہو یا اس کے برخلاف عقیدہ و فکر بالکل لچر ہو اور انسان کے لئے سودمند ہو؟

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

قرآن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نظری ارزش وعملی ارزش دونوں مساوی ہیں یعنی حقیقت ہونا اور خیر ہونا دونوں مساوی ہیں اگر کوئی عقیدہ وایمان حقیقت ہے تو انسان کے لئے فائدہ مند بھی ہے اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہوگا ایسا نہیں ہے کہ ایک عقیدہ واقعیت تو رکھتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ انسان وہ اعتقاد نہ رکھے۔ بلکہ اس کے خلاف جو عقیدہ کمزور اور باطل ہے اس کا اعتقاد رکھے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ انسان وہ اعتقاد رکھے۔ اس کے برعکس یعنی عقیدہ لچر، کمزور بے حقیقت ہے مگر انسان کے لئے سودمند ہے تو اس کے متعلق یہ کہنا چاہئے کہ ہاں ممکن ہے کہ ایک کمزور اور باطل عقیدہ ایک معین مدت تک بعض افراد انسانی کے لئے فائدہ مند ہو مگر یہ وہی چیز ہے جس کا نام قرآن نے ''باطل'' رکھا ہے اور کہتا ہے کہ یہ انسان کے فائدہ کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی اسے دوام حاصل ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ

جھاگ تو خشک ہو کر زائل ہو جاتا ہے اور پانی جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔[1]

جب ہم سمجھے ''حق'' یعنی حقیقت واقعی ہونا۔ یا سمجھے ''خیر'' یعنی مفید ہونا تو یہ دونوں مساوی ہوئے، کوئی یہ سوال نہیں کر سکتا کہ ایک چیز واقعی اور حقیقی تھی اور نقصان دہ تھی یا ایک چیز غیر حقیقی تھی اور نقصان دہ تھی یا ایک چیز غیر حقیقی تھی اور فائدہ مند تھی اس کا حکم کیا ہے یا کیونکر ہے؟ بلکہ اس طرح سوال ہو سکتا ہے کہ کمزور باطل اور نقصان دہ اور حقیقت و خیر ان دونوں میں سے کون باقی رہنے والا ہے؟ باطل عقائد اگر ہزاروں سال بھی موجود رہیں تب بھی وہ وقتی ہوتے ہیں اور نظام خلقت وآفرینش انہیں رفتہ رفتہ محو کر کے ختم کر دیتا ہے۔ یہ وہی حق وباطل کی جنگ ہے جس کے متعلق قرآن نے فرمایا ہے کہ باطل ایک جولانی رکھتا ہے اور تھوڑی مدت کے بعد فنا ہو جاتا ہے اور حق چونکہ ایک حقیقت ہے جو ہمیشہ خیر اور

[1] سورۂ رعد: ۱۷

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سودمندی کے مساوی ہے اس لئے ہمیشہ کے لئے باقی رہے گا۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ اپنے مفہوم معنی کے اعتبار سے اس قدر بلند و بالا ہے کہ ایسی بات کہنا ایک ناخواندہ اوران پڑھ انسان کے امکان میں نہیں ہے۔آیہ کریمہ حق و باطل کی مثال بیان کرتی ہے کہ باطل کی مثال جھاگ کی سی ہے اورحق کی مثال پانی جیسی۔آیتِ کریمہ بارش کے پانی کی ایک مثال دے رہی ہے کہ پہاڑوں پر بارش ہوتی ہے تو دھارے وجود میں آتے ہیں اور دریا بنتے ہیں۔ان میں بہاؤ پیدا ہوتا ہے اور بھاؤ سے جھاگ بنتے ہیں جو بہاؤ کو ڈھانپ لیتے ہیں اس وقت ایک ظاہر بین انسان پانی کو جو حقیقت ہے باطل اور کمزور جھاگ سے مغلوب سمجھتا ہے۔قرآن کہتا ہے۔جھاگ فنا ہو جائے گی اس لئے کہ اس کی مثال باطل کی سی ہے اور پانی باقی رہ جائے گا اس لئے کہ اس کی مثال حق جیسی ہے اورحق اس لئے باقی رہ جاتا ہے کہ وہ فائدہ بخش ہے۔

یہ بالکل متحقق ہے کہ خدا نے اس آیت کریمہ میں حق کو فائدہ مند اور نفع بخش ہونے کے برابر اور مساوی گردانا ہے۔عصر حاضر کے معنوی وروحانی بحران کے مسئلہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے دقیق و باریک بین افراد اس نکتہ پر توجہ رکھتے ہیں کہ جو بحران اس وقت انسانی معاشرے خصوصاً ترقی یافتہ صنعتی معاشروں پر حکمرانی کر رہا ہے وہ معنوی اور روحانی بحران ہے۔موجودہ بحران نہ تو سیاسی ہے اور نہ اقتصادی اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی دوسرا بحران ہے کیونکہ دنیا میں سیاسی بحران کا جو سلسلہ ہے بالفرض عرب اور غاصب اسرائیل کا معاملہ یا چین اورروس کی سرحدوں کا مسئلہ یا کوئی اقتصادی بحران ہے مثلاً عالمی افراطِ زر یا اسی طرح کے جو دوسرے بحران ہیں وہ آج کی دنیا میں ناقابل حل نہیں مانے جاتے حتی کہ عالمی جنگوں کے خطرات بھی ۳۰ سال، ۴۰ سال اور پچاس سال کے بعد قابل حل ہیں۔صرف وہ ناقابلِ حل بحران جس کے حل ہونے کی ابھی تک کوئی راہ پیدا نہیں ہوئی ہے معنوی اور روحانی بحران ہے جو نہ تو اقتصادیات سے مربوط ہے اور نہ صنعت سے بلکہ وہ انسان کے روحانی اور معنوی حیثیت سے مربوط ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بعض ایسے بحران جو آج دنیا پر حکومت کر رہے ہیں ان کی ماہیت معنوی تو نہیں ہے لیکن اس کی اصل اور جڑ کوئی معنوی امر ہے مثلاً آج کے اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ خودکشی ہے جو روزافزوں ترقی کرتا جارہا ہے۔تحقیقات بتاتی اور ثابت کرتی ہیں کہ اس کا پہلو بھی معنوی ہے یعنی زندگی میں بیہودگی کا احساس اور یہ کہ میں کس لئے زندہ ہوں اس دنیا میں کیوں آیا ہوں اس زندگی سے فائدہ کیا ہے یہ ایک قسم کی بہت جلد رنجیدہ و مایوس ہونے والی حالت اور مشکلاتِ زندگی سے مقابلہ کرنے کی طاقت کا نہ ہونا ہے،خودکشی کرنے والوں کے بقول کمزوریوں اور مشکلوں سے رہائی یعنی ایک قسم کی بالکل معمولی مشکل جو قدیم دنیا میں کوئی مشکل شمار ہی نہیں کی جاتی تھی اور روز و شب میں ایک انسان کی نیند بھی نہیں لے سکتی تھی مگر آج کے انسان کے لئے زندگی کی وہ حد ہے جہاں سے اب اس کی زندگی کے لئے کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہ جاتی اور انسان کہنے لگتا ہے مجھے اپنی زندگی ہی کو رہا کر دینا چاہئے۔اس سلسلہ میں اعداد و شمار کے بہت کافی گوشوارے موجود ہیں۔خاص طور پر وہ ممالک جنہوں نے صنعتی اور ٹیکنیکل اعتبار سے زیادہ ترقی کی ہے اور انسان کی مادی فلاح و بہبود کا زیادہ دم بھرتے ہیں ان میں خودکشی بھی زیادہ پائی جاتی ہے تحلیل و تجربہ اور تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان ملکوں میں خودکشی کا سبب معنوی خلاء اور روحانی فقر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

ایک مسئلہ جو آج کل بہت زیادہ بیان کیا جارہا ہے وہ فرصت کے اوقات کے خالی رہنے کا مسئلہ ہے جو مغربی دنیا اور بہت سے ترقی یافتہ ممالک میں تک تکنیک اور صنعت کی پیشرفت کے زیر اثر بیان کیا جاتا ہے کہ ان خالی وقتوں میں کیا کرنا چاہئے اور انہیں کیونکر پر کرنا چاہئے؟ اس سلسلہ میں وسائل بھی پیدا کئے گئے ہیں جو خودفراموشی کے وسائل کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں۔ان وسائل میں مشغول انسان جب ہوش میں آتا ہے تو ان کے بے فائدہ ہونے اور تضیع اوقات کا احساس کرتا ہے مثلاً سینما،تھیٹر اور شہوت پرستی کے وسائل اور ان کے علاوہ بھی جو وسائل ہیں وہ سب کے سب خودفراموشی کے لئے زمینہ ساز ہیں نے شک نفسیاتی امراض اور اعصابی اختلالات روز بروز بڑھتے جارہے ہیں ان کے اعداد و شمار کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

گوشوارے بتاتے ہیں کہ جس قدر صنعتی اور انسان کی مادی فلاح و بہبود کی ترقی ہو رہی ہے اعصابی اختلال وفساد اور نفسیاتی امراض میں بھی اسی قدر اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ البتہ امراض اہم ہیں، بعض اعصابی بیماریاں محض نفسیاتی امراض کی موجب نہیں ہوتیں بلکہ جسمانی امراض جیسے آنتوں اور معدے کے زخم تک پہنچ جاتی ہیں۔ ان مسائل کا منشاء رفاہ کا کم یا زیادہ ہونا نہیں ہے بلکہ منشاء دوسرا ہے وہ یہ کہ ان مواقع اور صورتحال میں لوگ رفاہ میں بھی رہیں اور ان امراض سے بھی دوچار نہ ہوں۔ مگر پھر بھی امراض ہیں اور پہلے سے زیادہ ہیں۔ پہلے جب کہ زیادہ تر لوگ اقتصادی محرومیت سے دوچار تھے مگر نفسیاتی اور اعصابی بیماریاں کم تھیں۔

جوانوں کی سرکشی اور نافرمانی کا مسئلہ، کوش نصیبی سے ہمارے جوانوں کے درمیان بہت کم پیدا ہوا ہے اور کچھ ہے بھی تو وہ دوسروں کی اندھی اور بندر جیسی تقلید سے ہوا ہے ورنہ واقعاً ہمارے جوان سرکشی اور گمراہی نہیں رکھتے، ہپی ازم اور آج کی تہذیب وتمدن (یہاں تک کہ نظافت وصفائی) اور تمام سنتوں، ترقیوں اور تمدن کے تمام جلووں سے روگردانی کرنا کوئی اصل اور بنیاد رکھتا ہے۔ یہ مسئلہ آج کی دنیا کے اہم مسائل میں سے ہے جو صرف معنوی خلاء سے پیدا ہوا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے بایں معنیٰ کہ یہ ہپی نسل ایک بنیادی فکر رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا آج کا مغربی تمدن خالی اور بے مغز ہے۔ شاید ہپی لوگ خود یہ تشریح نہیں کرسکتے کہ اس تمدن کی بے مغزی کس چیز میں ہے؟ کیا یہ مشین کا قصور ہے اور مشین بے مغز اور خالی ہے؟

مشین کیوں خالی ہے اور بے مغز ہے؟ کیا علم بے مغز ہے؟ علم تو بے مغز نہیں ہوسکتا؟ ہپی قوم صرف اتنا سمجھتی ہے کہ آج جو چیز تمدن کے نام سے وجود رکھتی ہے وہ بالکل کھو کھلی ہے ہپی ازم یعنی اس تمدن سے روگردان ہونا جسے ہپی قوم نے کھوکھلا قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ سرزمین مشرق خصوصاً مشرق بعید کا رخ کر رہے ہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہندوستان اور ہندوؤں میں کچھ معنویت وجود رکھتی ہے اس لئے وہ وہاں جانا اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہاں اپنی پیاس بجھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس مشین، صنعت اور ٹکنیک سے تو کچھ نہیں بنا، چل کر وہاں دیکھیں کہ کچھ بنتا ہے یا نہیں؟ انسانوں نے مشین کے پرزوں کی شکل خود

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اختیار کر لی ہے اور یہ ایسا وحشت ناک معنوی فقر و افلاس انسان میں پیدا ہوگا ہے کہ مائیں اپنے بچوں کے ساتھ بھی وہ احساسِ محبت نہیں رکھتیں جو ہونا چاہیے، بچے اپنے والدین کے ساتھ محبت کا شدید احساس نہیں رکھتے اور نہ ہی بھائی بھائیوں کے ساتھ تو پھر ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے ساتھ ایک ہم وطن دوسرے ہم وطن کے ساتھ اور انسان کے ساتھ کیا احساسِ محبت رکھے گا۔

آج کی دنیا میں یہ مسئلہ بہت اہم ہو گیا ہے اس سلسلہ میں بہت سے واقعات بھی موجود ہیں۔ چند سال پہلے ہمارے ایک فاضل اور دانش مند دوست کو زخم معدہ کی شکایت ہوگئی تھی۔ ایک یورپی ملک (آسٹریا) میں جہاں ان کا لڑکا زیر تعلیم تھا موصوف اس لئے تشریف لے گئے کہ وہاں لڑکے کو بھی دیکھ لیں گے اور دوسرا علاج بھی کر لیں گے موصوف کا بیان ہے۔ میں ایک روز ایک ریسٹورنٹ میں تھا اور ابھی تازہ تازہ ہسپتال سے نکلا تھا کہ میرا لڑکا برابر آتا جاتا رہا اور میری خدمت کر رہا تھا ایک مرد اور عورت بھی اس ریسٹورنٹ میں دوسری طرف بیٹھے ہوئے تھے جن کی عمریں ۵۰، ۶۰ رہی ہوں گی میں نے دیکھا کہ وہ دونوں برابر ہماری طرف دیکھ رہے ہیں اسی اثنا میں میرا لڑکا آیا اور واپس ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ دونوں میرے لڑکے سے کچھ باتیں اور کچھ سوالات کر رہے ہیں میرا لڑکا جواب دے رہا ہے پھر میرے لڑکے نے آ کر مجھ سے بتایا کہ وہ لوگ پوچھ رہے ہیں کہ یہ شخص کون ہے جس کی تم خدمت کر رہے ہو؟ انھیں بالکل شک نہیں کہ میں نوکر ہوں اور اپنے کام کا پیسہ لیتا ہوں، ان لوگوں نے پوچھا کتنے پیسے لیتے ہو کہ اس قدر خدمت کرتے ہو؟ میں نے ان سے کہا کہ وہ میرے باپ ہیں تو ان لوگوں کہا کہ درست! باپ ہیں مگر کیا آدمی باپ کے لئے مفت کام کر سکتا ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ آخر یہ والد ہیں میں تعلیم حاصل کر رہا ہوں میری تعلیم اور دوسرے اخراجات کے لئے ایران سے میرے لئے پیسے بھیجتے ہیں یہ سن کر ان دونوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے اور مجھ سے کہنے لگے یہ شخص کام کر کے پیسے کماتا ہے اور تمہیں بھیجتا ہے کہ خرچ کرو؟ میں نے کہا ہاں تو انہیں یقین نہیں آیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم زن و شوہر ہیں لڑکا، لڑکی بھی رکھتے ہیں وہ دونوں کہیں ہیں اور ہم دونوں اس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وقت تنہا ہیں۔ان لوگوں نے پھر کہا تیس (۳۰) سال پہلے ایک دوسرے سے آشنا ہوئے تھے۔ہم دونوں نے اپنے اپنے دل میں ایک دوسرے کی محبت اور عشق کومحسوس کیا اور کہا کہ ہم کچھ عرصہ باہم زندگی گزاریں گے اگر ہم دونوں کے اخلاق آپس میں میل کھائیں گے تو شادی کرلیں گے اسی طرح تیس سال گزر گئے اور اب تک جبکہ بچے بھی اپنے پاس نہیں ہیں یعنی وہ دوسرے ملکوں میں جا چکے ہیں اور ہماری نامزدگی کے تیس سال گزر چکے ہیں ابھی کسی منزل پر نہیں پہنچے ہیں اور شادی بھی نہیں کی ہے یہ مہر ومحبت کے فقدان کا مسئلہ بھی عجیب ہے آخر وہ لوگ بھی تو بحسب فطرت ہمارے ہی جیسے ہیں ممکن ہے خدا نہ کرے ہم بھی کسی روز انہیں لوگوں کے مانند تبدیل ہو جائیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تشدد و جرائم کی توسیع

فقدانِ عاطفہ ومحبت کے لائے ہوئے مسائل میں ایک مسئلہ خشونت وتندخوئی اور جرم وجنایت کا ہے انسان جس وقت اپنی انسانیت کھودیتا ہے تو پھر وہ مشین کے ایک پہیے کی طرح ہوجاتا ہے اس کا ضمیر اور باطن مردہ ہوجاتا ہے کچھ دنوں پہلے اخبارات نے لکھا تھا کہ فلاں ہوائی جہاز گر گیا اور ۹۲ افراد مر گئے۔ ایئر پورٹ پر ایک شخص جس کا کام پائلٹ کو حالات کی اطلاع دینے کے بجائے کچھ اور تھا اس کا بیان ہے کہ جس وقت پلین آرہا تھا تو اس کی بلندی تقریباً دو ہزار میٹر تھی حالانکہ اس کی بلندی ۳۵۰۰ ہونی چاہیے تھی میں نے اسے دیکھا اور متوجہ بھی تھا کہ تھوڑی دیر کے بعد پلین ٹکرا جائے گا مگر میں نے بتایا نہیں لوگوں نے پوچھا کیوں نہیں بتایا؟ تو اس نے کہا کہ یہ بتانا میری ڈیوٹی نہیں مجھے یہاں دوسرے کام کے لئے رکھا گیا ہے۔ مہر وعواطف کا فقدان یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ اگر اس کی آنکھوں کے سامنے لوگ جل کر راکھ بھی ہوجائیں تب بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

مہر ومحبت کی کمی اور عاطفہ کے فقدان کا لایا ہوا ایک مسئلہ خانوادگی نظام کا درہم برہم اور پارہ پارہ ہونا ہے۔ زن وشوہر کا ایک دوسرے سے بیگانہ ہونا، جلدی ختم ہوجانے والی شادیاں، اور روز افزوں عائلی جھگڑے اور طلاق، یہ وہ مسائل ہیں کہ اگرچہ بعض ان میں سے معنوی نہیں ہیں لیکن معنویات سے ان کا تعلق ہے یعنی اس کی جڑ بھوک مری کی طرح روحانی فقدان میں ہے۔

یہ مسلم ہے کہ آج پچاس کروڑ بھوکے انسان دنیا میں موجود ہیں۔ حالانکہ اسلحے کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

فراہمی میں جو دولت صرف ہو رہی ہے اگر اس کا پانچوں حصہ بھی ان کے بقول ''سبز انقلاب'' یا زراعت اور کھیتی باڑی کو فروغ دینے پر خرچ کریں تو یہ سب کے سب پچاس کروڑ افراد نجات پا جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ فوجی اور اسلحہ جاتی خرچ ۲۰۴ ملین ڈالر ہے جبکہ صرف ۵۰ ملین ڈالر دنیا کو بھوک سے نجات دینے کے لئے کافی ہیں۔ کانفرنس بھی بڑی مرتب اور باقاعدگی سے یہ لوگ منعقد کرتے ہیں لیکن جب ان کانفرنسوں میں لوگ شرکت کے لئے آتے ہیں تو پھر وہاں بھی سیاسی رقابتیں حکمران ہوتی ہیں ایک ہفت روزہ کانفرنس روم میں بھی منعقد ہوئی تھی تا کہ اس میں مختلف ممالک کے نمائندے جمع ہوں اور دنیا کے بھوکوں کے متعلق غور وفکر کریں اس کانفرنس کی سب سے اہم خبر یہ تھی کہ شرکت کرنے والے نمائندوں کی بڑی عمدہ ضیافت کی گئی۔ امریکہ کے عوام ہر سال تقریباً دو ملین ڈالر اپنے کتوں اور بلیوں کی غذاؤں پر صرف کرتے ہیں اور ان کی غذائیں جو بچ جاتی ہیں وہ پھینک دی جاتی ہیں جبکہ دنیا میں ایک کے پیچھے ایک بھوکے مرتے جا رہے ہیں۔ ان کے دل وضمیر کچھ بھی انسانی عاطفہ ومحبت نہیں رکھتے۔

ماحولِ زندگی

انسان زندگی کا سب سے اہم سرمایہ ''ہوا'' ہے جو آج بے حد آلودہ ہو چکی ہے اور روز بروز زیادہ سے زیادہ آلودہ ہو کر انسان کو بڑی نعمت الٰہی سے محروم کرتی جا رہی ہے آج کی دنیا میں یہ خود ایک بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ کیا یہ مشینوں کا ظلم و جبر ہے اور اس کا کوئی چارہ بھی نہیں ہے یا کوئی چارہ رکھتا ہے۔ کیا یہ تمام مشینیں اور ٹیکنیکل وسائل جو پیدا کئے جا رہے ہیں، یہ تمام مشینی مصنوعات جو دنیا میں تیار کی جا رہی ہیں سب کی سب انسان کی احتیاج اور ضرورت کی بنیاد پر ہیں یا یہ فقط حرص وآز ہے جو انہیں اس شکل میں ظاہر کر رہی ہے؟ آج دنیا میں مصنوعی ضرورت کے لئے ہزاروں طرح کے مکروفریب سے کام لیا جا رہا ہے اور آج کی دنیا کے اجتماعی ارتباط کے تمام وسائل بڑے سرمایہ داروں کی خدمت کرنے میں لگے ہیں تا کہ وہ عوام میں مصروف کی جھوٹی خواہشات پیدا کر سکیں۔ برابر مختلف قسم کی مشینیں ایجاد کر رہے ہیں اور چونکہ انسان کو اس قدر ضرورت و حاجت ہے نہیں لہٰذا مجبور ہو کر مختلف وسائل، موسیقی،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مکروفریب، عورتوں کے جذبات، فلموں، ٹیلی ویژنوں اور ہزاروں دوسرے ذرائع سے چاہتے ہیں کہ انہیں بشریت کی خوراک بنادیں تاکہ انسان انہیں جلدی سے حاصل کرے اور جلدی اس کا مصرف کرڈالے تاکہ بڑے بڑے کارخانوں کے پہیے گردش کرتے رہیں۔

ایک سال میں نے ''اطلاعات'' اخبار میں ایک مقالہ پڑھا تھا جو دنیا کے ایک ماہر سماجیات اور بزرگ مورخ ''توئین بی'' کا ترجمہ کردہ تھا اس مقالہ میں بطور نظریہ لکھا ہوا تھا کہ کتاب مقدس (یعنی عہد نامہ عتیق) میں آیا ہے کہ خدا نے جس وقت ہمارے پدر بزرگوار حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں بہشت میں جگہ دی اور تمام نعمتیں عطا کیں اور فرمایا کہ تم ان نعمتوں سے فیض اٹھاؤ فقط اس شجرۂ ممنوعہ کے پاس نہ جانا اگر تم اس درخت کے پاس گئے تو یہ ساری نعمتیں تم سے چھن جائیں گی، مگر ہمارے بابا آدم اس مشہور خطا (ترک اولیٰ) کے مرتکب ہوئے اور درخت کے پاس چلے گئے ....جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ سے کہا گیا کہ جنت سے نکل جاؤ اب جنت تمہاری جگہ نہی رہی۔ حضرت آدم جنت سے اس زمین پر بھیج دیئے گئے ابتداء میں تو آدم اور اولاد آدم کے لئے مشکل تھی کیونکہ بہشت سے نکالے گئے تھے اور اس زمین کی زندگی گزار رہے تھے مگر چونکہ وہ یہاں زندگی گزارنے پر مکلف وموظف تھے لہٰذا مجبور تھے کہ کدیمین اور عرق جبیں کے ساتھ زندگی گزاریں۔ مگر رفتہ رفتہ انسان نے اپنے کو اس زمین کی زندگی کے مطابق ڈھال لیا اور زمین کو عملی طور پر اپنے لئے ویسی ہی بہشت بنالی یہاں کی ہواؤں جنگلوں حیوانوں اور سبزیوں سے استفادہ کیا اور ادھر دھیرے دھیرے یہ زمین فرزندان آدم کے لئے دوسری بہشت ہوگئی اس دوسری جنت میں دوسری خطا اور غلطی شروع ہوئی یہ غلطی مشین کی ایجاد تھی ہمارے آباؤ اجداد نے مشین بنائی انہوں نے جس وقت پہلی بار مشین بنائی تھی تو اپنی جگہ سوچا تھا کہ ہم نے انسان کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ مگر کیا وہ جانتے تھے کہ ہم نے ایک ایسا وسیلہ ایجاد کیا ہے کہ یہی وسیلہ ان کے روئے زمین سے نکالے جانے کا سبب بنے گا اور پھر وہ اس زمین پر زندگی نہیں گزار سکیں گے۔ روز بروز مشین ترقی کرتی جارہی ہے اور انسان کمزور ہوتا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

جارہا ہے جس طرح ریشم کا کیڑا وہی اپنا گھر بناتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں دم توڑ جاتا ہے جس وقت ہمارے پدر بزرگوار حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے نکالے گئے تھے تو اس وقت زمین کے نام سے ایک جگہ موجود تھی کہ وہاں وہ جا کر اپنی زندگی شروع کریں لیکن اگر فرزند آدم علیہ السلام اس بہشت ثانی سے بھی نکالا گیا تو پھر اس کے لئے مطلق فنا ہے۔

پھر مذکورہ بالا مورخ اور ماہر سماجیات نے یہ وضاحت کی ہے کہ اس مشین نے طبیعت وفطرت کے ساتھ کیا تضاد پیدا کیا ہے اور ہواؤں جنگلوں اور دریاؤں کے ساتھ کیا کیا ہے۔سمندروں اور دریاؤں کو اس نے کتنا آلودہ کر دیا ہے۔ کتنے ہزار قسموں کی مچھلیوں کے انڈے دینے سے ناپید ہو گئے۔ کتنے قسم کے پرندے مشین اور انسان کے ہاتھوں سے ختم ہو گئے اور انسان نے کس قدر طبیعت وفطرت کے خلاف شکل اختیار کر لی ہے۔ پھر موصوف ایک مشہور مثل بیان کرتے ہیں جو قدیم افسانوں میں بیان کی گئی ہے وہ یہ کہ ایک جادوگر نے ایک جن کو مسخر اور قابو کر کے اسے ایک شیشی میں بند کر دیا تھا جب وہ چاہتا تھا تو اس جن کو شیشی سے باہر نکال کر اس سے استفادہ کرتا تھا اور اس سے عجیب وغریب کام لیا کرتا تھا اس جادوگر کا ایک شاگرد تھا سے بھی آرزو ہوئی کہ وہ بھی اپنے استاد جیسا ہو جائے اور وہ بھی اس جن سے استفادہ کرے اس نے استاد سے نظر بچا کر جن کو شیشی سے باہر نکالنے کی رمز کو معلوم کرنے کی کوشش کی چنانچہ ایک دن اس نے اپنے استاد کی غیبت میں جن کو شیشی سے باہر نکال کر کسی حد تک استفادہ کیا لیکن جب اس نے جن کو شیشی میں داخل کرنا چاہا تو اسے شیشی کا منہ بند کرنے والا رمز معلوم ہی نہیں تھا۔لہٰذا وہ اس کو شیشی میں بند نہیں کر سکا اور جب وہ جن سے خدمت نہیں لے سکا تو اب جن اس سے خدمت لینے لگا۔ٹوئین بی لکھتے ہیں کہ اسی جن کے مانند یہ مشین ہے جسے انسان نے ایجاد کیا ہے اور اب خود ہی اس مشین پر کنٹرول اور قابو نہیں پا رہا ہے۔مگر ہم یہ قبول نہیں کرتے کیونکہ یہاں مسئلہ دوسرا ہے انسان کی خطا اور غلطی مشین ایجاد کرنے والے کے ہاتھ میں نہیں تھی جیسا کہ ٹوئین بی صاحب نے بیان کیا ہے بلکہ انسان کی خطا فرانسیس بیکن اور اس کے مقلدین کے ہاتھوں میں ہے جس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

دن ان لوگوں نے یہ بیان کیا کہ ''علم'' ہی انسان کا سب کچھ ہے اور ہم تمام مشکلات کا حل علم ہی سے تلاش کر لیں گے۔ ہم انسانوں کی کل بدبختی جہالت و لاعلمی ہے انسان کو علم و آگہی اور عقل و دانش عطا کریں جب جہالت دور ہو جائے گی تو تمام مشکلیں بھی دور ہو جائیں گی چنانچہ یہ لوگ آئے اور علم کو اس کے ہمزاد یعنی ایمان سے جدا کر دیا اور اعلان کر دیا کہ ماضی میں جو کام ایمان انجام دیتا تھا اب وہی کام علم انجام دے گا۔ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بڑی لطیف تعبیر ہے حضرت فرماتے ہیں:

> الکلمة الحکمة ضالة المومن فحیث و جدها فھو احق بھا
>
> یعنی علم و حکمت اور دانش مومن کی گمشدہ حقیقت ہے پس وہ اسے جہاں اور جس شخص کے پاس پائے لے لے۔[1]

وہ دوسروں سے زیادہ اس کے پانے اور حاصل کرنے کا حقدار ہے یعنی علم کی جگہ وہ گھر ہے جہاں ایمان بھی ہو علم جس میں قدم رکھتا ہے جہاں اس کا ساتھی اور ہمزاد ایمان وجود نہیں رکھتا تو پھر وہ اس کا گھر اس کی جگہ نہیں ہے یہ ایک بہترین تعبیر ہے حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

> الحکمة ضالة المؤمن فخذ الحکمة ولو من اھل النفاق
>
> یعنی حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے پس علم و حکمت کو حاصل کرو اگرچہ اہل نفاق ہی سے کیوں نہ حاصل کرنا پڑے۔[2]
>
> الحکمة ضالة المؤمن فلیطلبھا ولو فی ایدی اھل الشر
>
> یعنی حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے پس علم و حکمت کو حاصل کرو

[1] نہج الفصاحہ صفحہ ۴۶۴

[2] نہج البلاغہ صبحی صفحہ ۴۸۱ حکم ۸۰

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

اگر چہ اہل شر کے ہاتھوں ہی میں کیوں نہ ہو۔[1]

علم ودانش جس کے پاس بھی دیکھو چاہے وہ منافق اورمشرک ہی کیوں نہ ہواس سے حاصل کرواس لئے کہ وہ اس کے ہاتھوں میں عاریت ہے۔بیکن اوراس کے پیرو آئے توعلم ہی سے تمام معجزات کے خواستگار ہوئے اور کہا کہ انسان کا ایک دشمن ضعف اور کمزوری ہے علم انسان کوقوی بناتا ہے۔بے شک یہ کہنا تو درست ہے کہ علم انسان کو قدرت عطا کرتا ہے علم قدرت ہے مگر طبیعت کے مقابلے میں قدرت ہے اورفقروافلاس کی بیماری اوراقتصادی مرض کودور کرنے کے لئے علم انسان کی پریشانیوں اور بے چینیوں سے مبارزہ نہیں کرسکتا۔کہہ تو دیا کہ علم حاصل کروتا کہ ظلم جڑ سے ختم ہوجائے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عملی طور پراس کے برعکس ہوگیا اورعلم ہی سماج کے ظالموں اور ستمگروں کا ذریعہ بن گیا۔کہہ دیا کہ علم حاصل کروتا کہ تم اپنی حرص وآزاور غلط خواہشات کے ساتھ مبارزہ کرسکو مگر ہم دیکھتے ہیں کہ معاملہ برعکس ہوگیا۔علم حرص وآز کے آقاؤں کے لئے ہی وسیلہ اورذریعہ بن گیا جس کے بھیانک نتائج آج کی اس دنیا میں دیکھ رہے ہیں۔ایک دوصدی تک تو انسان ان باتوں میں مشغول رہا کہ بس علم کافی ہے اور پھر انیسویں صدی میں یہ کہنا شروع کیا کہ نہیں علم تو تنہا کافی نہیں ہے بلکہ فلسفہ اجتماعی اورآئیڈیالوجی بھی ہونی چاہئے اور نتیجے میں ایک خلافِ علم تحریک (یعنی علم کے بغیر آئیڈیالوجی کے کافی نہ ہونے کے معنی میں)وجود میں آئی۔چنانچہ لوگ آگے بڑھے اورانسان کے لئے آئیڈیالوجی اورازم بنائے۔مگر آئیڈیالوجی بذاتِ خود تصور کائنات اورانسان شناسی چاہتی ہے اورضروری ہے کہ انسان اوردنیا کے بارے میں آئیڈیالوجی خود پہلے اپنا مطمع نظر بیان کرے تاکہ پھر وہ اپنے اجتماعی مکتب میں مثالی اور مقدس نتائج فراہم کرسکے۔آئیڈیالوجی آئی اورتصور کائنات کے مسئلہ میں خدا کی نفی کی اور انسان میں روح کی اورانسان کا تعارف ایک اقتصادی مشین کی طرح کراتے ہوئے ایک مقدس اجتماعی نظریہ بنانا چاہا مگر ایسا نہیں ہوسکا اور ہوبھی کیسے سکتا ہے کہ انسان سے کہا جائے

[1] تحف العقول مطبوعہ بیروت صفحہ ۱۴۲

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کہ دنیا میں کوئی خدا وجود نہیں رکھتا اور تیرے وجود میں بھی کوئی مقدس چیز موجود نہیں مگر تو متعہد ہو کہ تو مقدس اجتماعی نظریات کے لئے کام کرے گا۔ تو عہد و پیمان کر کہ حرص و طمع نہیں کرے گا۔ ظلم نہیں کرے گا، دوسروں کی حالت پر تو دلسوز ہو گا حالانکہ یہ تعلیمات فلسفی، تصورِ کائنات اور انسان شناسی اس اجتماعی نظریہ کے کے خلاف ہے۔

جان جولٹین لکھتا ہے کہ اگرچہ ہم فلسفی اعتبار سے مادی ہیں مگر اخلاقی نقطۂ نظر سے ہم آئیڈیالسٹ ہیں مگر کیا یہ ممکن ہے کہ انسان فلسفیانہ نقطۂ نظر سے تو مادی ہو مگر اخلاقی نقطۂ نظر سے آئیڈیالسٹ ہو؟ صرف زبان سے کہہ دینا درست اور کافی نہیں ہوتا ایک مدت تک اس کے لئے یہ لوگ سرگرم عمل رہے مگر کیا ایسا کام ممکن ہے؟ یہ سب اس لئے کہ ایمان سے فرار کر جائیں۔ مگر ہم عملی طور پر دیکھتے ہیں کہ یہ تمام مکاتب اور طور طریقے شکست خوردہ ہو چکے ہیں اور کچھ بھی انسانی پہلو نہیں رکھتے جو کامیابیاں بھی ہوئی ہیں وہ محض سیاسی اور سازشکارانہ ہیں۔ ہم نے مشرق و مغرب کے قطب کو بھی دیکھ لیا اور امپیریل ازم اور سوشل ازم کو بھی ہم نے کو بھی ہم نے تو یہی دیکھا کہ

؎ پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

کی بات صادق آتی ہے۔

ایک دوسرے گروہ مثلاً ژوان پال سارتر نے ایک دوسرا مفروضہ پیش کیا اور کہ کہ ہم یہ مانتے ہیں کہ صرف علم اور فلسفہ اجتماعی سے کام چلنے والا نہیں ہے مگر عالم اور روشن فکر کے درمیان فرق ہے۔ روشن فکر ایک خاص قسم کی روشن فکرانہ خود آگاہی کا حامل ہوتا ہے جو اسے انسانی اہداف کی طرف لے جاتا ہے اس توجیہ کا جواب یہ ہے کہ علم و آگاہی میں باہم کوئی فرق نہیں ہے علم نور کی مانند ہے نور سوائے اس کے کہ وہ فضا کو روشن کرتا ہے اور کوئی دوسرا کام نہیں کرتا علم و آگاہی بھی اسی طرح ہے، آگاہی انسان کو ہدف و مقصد نہیں عطا کرتی بلکہ ہدف تک پہنچنے میں انسان کی مدد کرتی ہے مثلاً علم کہتا ہے کہ میں تمہیں موٹر دیتا ہوں مگر یہ نہیں کہتا کہ اس موٹر سے فقراء کی کمک کے لئے بڑھو یا فلاں مکان میں چوری کے لئے جاؤ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بلکہ یہ کہتا ہے کہ ہر کام اور ہر مقصد چاہے وہ صحیح ہو یا غلط اگر انجام دینا چاہتے ہو تو انجام دے سکتے ہو میں تمہاری خدمت کے لئے حاضر ہوں۔

''علم'' کا کردار فقط یہ ہے کہ وہ انسان کو ایک راستے سے لے جاتا ہے کہ وہ جلد سے جلد مقصد تک پہنچ جائے۔ اگر صرف تنہا علم ہی کافی ہوتا تو پھر دوسرے علم کی ضرورت نہ ہوتی۔ قرآن کہتا ہے سب سے زیادہ آگاہ شیطان تھا جس کی خود آگاہی بھی بڑی کامل تھی بلکہ وہ خدا آگاہ و خدا شناس بھی تھا، قرآن صرف خدا شناسی اور خدا آگاہی کو بھی کافی نہیں جانتا اور کلی طور پر ''علم'' کے لئے اس جہت سے کہ وہ ''علم'' ہے صرف ظاہر اور روشن کرنے کے علاوہ کسی اور ارزش و اہمیت کا قائل نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے شیطان خدا کو بھی پہچانتا اور جانتا تھا خدا کے رسول انبیاء کی نبوت سے بھی آگاہ تھا لیکن اس کے باوجود کافر تھا۔

''ایمان'' انسان کے درد کا علاج

''ایمان'' یعنی ایسی خدا آگاہی جو حق کے سامنے تسلیم و رضا سے ہمکنار ہو، انسان کے درد کا علاج ہے بلکہ انسان کے درد کا تنہا اور واحد علاج ہے۔ حق کے سامنے تسلیم و رضا اور خضوع و خشوع سے رچی بسی خدا شناسی و خدا آگاہی سے کوئی کام بننے والا نہیں ہے۔

آخر میں ایک دوسرا طریقہ اور ایک دوسرا آہنگ انسان ساز تہذیب کے نام سے لوگوں نے بنایا ہے اور کہتے ہیں کہ انسان کو تہذیب ساز ہونا چاہئے کہ تہذیب انسان ساز ہو۔

ایک دوسرا گروہ بھی ہے جس نے عرفان کی طرف توجہ کی ہے اس حیثیت سے کہ تہذیب کو انسان ساز سمجھتے ہیں حالانکہ خدا آگاہی اور خدا کے سامنے تسلیم و رضا ہی عرفان کی بنیاد ہے تعجب یہ ہے کہ لوگ عرفان کو خدا سے جدا کرنا چاہتے ہیں بھلا عرفان بھی خدا سے جدا ہوسکتا ہے یہ ممکن نہیں ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر مغرب و مشرق میں بھی جاؤ گے تو آخر میں پھر تمہیں حقیقت کو سمجھنے کے لئے یہی گھٹنے ٹیکنے پڑیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آئندہ انسان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے۔ ماضی میں انسان کے بہت سے بحران جہل و نادانی سے پیدا ہوئے تھے مگر آج

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

الحمدللہ انسان کا یہ بازو تو مضبوط ہو گیا ہے البتہ دوسرا یعنی ایمان کا بازو ابھی یونہی پڑا ہوا ہے انسان بغیر معنوی تکامل کے صرف ایک بازو سے پرواز نہیں کرسکتا اور اسی کے برعکس یہ بالکل درست ہے کہ انسان اگر ایمان کے دائروں میں رشد و ترقی کرتا ہے لیکن جہالت و نادانی اور تعصب کا غلبہ ہے تو سوائے تحفۂ بدبختی کے کچھ اور ہاتھ نہیں آ سکتا۔ ان دونوں بازوؤں پر قرآن کا تکیہ ہے۔ اس لئے کہ یہی دونوں بازو ہیں جو انسان کی مشکلات کو جیسے چاہئے ویسا ہی حل کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید کبھی علم و ایمان کو باہم ذکر کرتا ہے اور کبھی جداگانہ علم اور ایمان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡفَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

یعنی جن لوگوں کو علم و ایمان دیا گیا ہے وہ کہیں گے کہ خدا کی کتاب کے مطابق تم قیامت تک رہے رہو اور یہ قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم کو اس کا علم نہیں تھا۔ [۱] کبھی ارشاد ہوتا ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ قیامت میں کہیں گے کہ آج کافروں کی بڑی رسوائی اور برائی ہے۔ [۲]

ایمان جس قلعہ کو فتح کرتا ہے وہ علم کے قلمرو میں نہیں ہے۔ اس قلعہ میں صرف خود انسان اور اس کا نفس ہوتا ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس قدر زیبا اور بجا مسائل بیان فرمائے

---

[۱] سورۂ الروم: ۵۶

[۲] سورۂ النحل: ۲۷

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ہیں۔حضرت پہلے موقعیت کو مشخص و معین فرماتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ کون سی بات کس وقت کہنی چاہیے مثلاً جس وقت مجاہدہ نفس کے مسئلہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو اسی دن تک کے لئے چھوڑ دیتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں کہ اصحاب با غرورِ افتخار فاتحانہ جنگ سے واپس آجائیں اس دن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہوتے ہیں اور ان کی آفرین و تحسین کے بعد فرماتے ہیں "مرحبا ان لوگوں پر جنھوں نے جہاد اصغر کو انجام دیا، ان کا جہاد اکبر باقی رہ گیا ہے۔اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد اکبر کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا جہادِ نفس" [1]

اس کے بعد ایک مناسب موقعہ کے دوران پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاد نفس کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں اسلام دو جہاد چاہتا ہے بیرونی محاذ پر گمراہ اور سرکش انسانوں کے ساتھ اور اندرونی محاذ پر بے جا اور غلط خواہشات کے ساتھ جہاد صرف ایک جہاد تنہا کافی نہیں ہے، اس مسئلہ میں مولانا رومی نے خوب کہا ہے فرماتے ہیں:

اے شہاں! کشتیم ما خصم بروں	ماند خصمے زان بتر در اندروں
کشتن ایں، کار عقل و ہوش نیست	شیر باطن، سخرۂ خرگوش نیست
دوزخ است این نفس و دوزخ اژدہا است	کو بدر یا ہم نہ گرد و کم و کاست

اے بادشاہو ہم نے بیرونی دشمنوں کو توقتل کر دیا ہے اب اندرونی دشمن باقی ہے جو بیرونی دشمن سے بھی بدتر ہے۔اس کو مار ڈالنا عقل و ہوش کا کام نہیں باطن کا شیر خرگوش کا مذاق نہیں ہے۔یہ نفس دوزخ ہے، اژدہوں کا دوزخ ہے جو دریا میں ڈالنے کے بعد کم نہیں ہوگا۔

لوگ خیال کرتے ہیں کہ فکر و عقل اور علم و فلسفہ سے قلعۂ نفس کو فتح کر لیں گے۔ بالکل نہیں اس لئے کے ایمان کی ضرورت ہے۔ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ خطا جس کی طرف مسٹر توئین بی نے اشارہ کیا ہے مشین کی اس میں کوئی خطا نہیں ہے بلکہ حرص و آز کا آزاد چھوڑ دینا اور یہ آزادئ حرص بے ایمانی سے وجود میں آتی ہے اس لئے کہ حرص و آز کو ختم کرنے کا تنہا عامل ایمان ہے، ہم ایمان کی طرف بازگشت کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رکھتے۔

---

[1] امالی صدوق صفحہ ۳۷۷ جلد ۸ مجلس ۷۱

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کمیونسٹی اخلاق

یہاں ہم کمیونسٹی اخلاق کے بارے میں جو کہ ہمارے زمانہ میں بہت زیادہ بیان کیا جارہا ہے کچھ نظریات کی طرف اشارہ کریں گے۔

ایک اخلاق نام نہاد کمیونسٹی اخلاق یا مارکسی اخلاق ہے یہ مکتب بھی اپنا خود ایک اخلاقی سسٹم رکھتا ہے ہر مکتب کو مجبوراً اخلاق کے لئے ایک معیار وضع کرنا چاہئے جو سوالات کا جواب دہ ہو۔ تاکہ یہ روشن ہو سکے کہ یہ مکتب کس چیز کے لئے انسانی ارزش کا قائل ہے کس قسم کے کام کو اخلاق اور کس کام کو خلاف اخلاق سمجھتا ہے۔

اس مکتب میں اخلاق کے لئے ایک چیز معیار ہے اور وہ ہے تکامل اجتماعی۔ کیوں کہ تکامل ہی کی بنیاد پر پیداواری ذرائع کی توجیہ کی جاتی ہے یہ مکتب ''جدلی'' POLEMICLOGIC ہے نام کی ایک منطق بھی رکھتا ہے یہ وہی ہیگل کی مشہور منطق ہے جو سترہویں صدی میں رائج و شائع تھی، ہیگل کے منحرف شاگرد نے جس کا نام فویر باخ تھا اس کی تجدید کی۔ مارکس مادیت اور مادی فلسفہ میں دراصل فویر باخ کا تابع اور پیرو ہے لیکن فویر باخ کی منطق جدلی نہیں تھی۔ POLEMICLOGIC مارکس نے اس جدلی منطق کو فویر باخ کے مادی فلسفہ کے ساتھ مرکب کر کے جدلی مادیت اور میرٹالزم دیالکتک کو ایجاد کیا۔ DIALECTIC

ایک نظریہ تاریخی میٹریل ازم کا نظریہ ہے یہ نظریہ جو ایک خاص نظریہ ہے اس کی اساس و بنا و اصالت اقتصاد ہے اس نظریہ کے ماننے والے کہتے ہیں کہ تاریخ کی اصلی ماہیت کو اقتصاد تشکیل دیتا ہے اور تاریخ، مادی ماہیت رکھتی ہے اور میٹریل ازم کی اصطلاح بھی انجلسی نے وضع کی ہے۔ اس نظریہ کا دوسرا شعبہ جامعہ شناسی (سماجیات) ہے اس بناء پر معاشرہ تقسیم ہوتا ہے بنیاد اور ظاہری عمارت پر معاشرہ کی بنیاد اقتصادی اور پیداواری روابط ہیں اور اس کی ظاہری عمارت تمام چیزیں ہیں۔

اسی نظریہ کا ایک اور دوسرا شعبہ کام اور ارزش کا مسئلہ ہے۔ ارزش فقط کام سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

وجود میں آتی ہے سرمایہ ارزش نہیں پیدا کرتا اس لئے سرمایہ دار جو بھی فائدہ حاصل کرتا ہے وہ اس سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کا تعلق مزدور سے ہوتا ہے۔ یہ کارل مارکس کا نظریہ ہے اگر چہ دوسرے ماہرین اقتصادیات نے بھی یہی بات کہی ہے مگر چونکہ کارل مارکس کا خاص اور خصوصی موضوع ہی اقتصادیات تھا اس لئے اس نے اس نظریہ کو زیادہ پروان چڑھایا۔

ہماری بحث میں قابل توجہ نکتہ اس مکتب میں اخلاق کا معیار ہے اور یہ کہ ہم دیکھیں کہ یہ مکتب کس طرح کے اخلاق کی تفسیر بیان کرتا ہے اور کس اخلاق کی مذمت کرتا ہے۔

اس مکتب میں اخلاق کا واحد معیار تکامل ہے یعنی ہر وہ کام جو کسی شکل وصورت میں معاشرہ کے تکامل کے لئے مانع ہو وہ اخلاق کی ضد ہے۔ البتہ اگر یہ لوگ اپنے اس معیار کو بصورت کلی بیان کرنا چاہیں تو شاید کوئی بھی اس کا مخالف نہ ہوگا یعنی ہر اخلاقی مکتب باوجود یکہ وہ تکامل کے علاوہ کوئی دوسرا معیار بیان کرتا ہے مگر اس کا کہنا یہی ہوتا ہے کہ معاشرہ کا تکامل اسی اخلاق سے وابستگی رکھتا ہے جو وہ بیان کر رہا ہے۔

جن لوگوں نے معیار کو تکامل نہیں بھی کہا ہے تو اس کے باوجود بھی ان کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ یہ اخلاقی معیار تکامل کی ضد ہے بلکہ ان کا دعویٰ یہی ہے کہ یہ اخلاق تکامل کا مقدمہ اور شرط ہے۔

بنا بریں ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جو نظریہ یہ کہتا ہے کہ ایک عمل کے اخلاقی ہونے کا معیار تکامل ہے تو وہ کیا خاص بات کہتا ہے اس کا نظریہ اور خیال تکامل کے بارے میں کیا ہے اور وہ تکامل اور راہ تکامل کو کیا چیز سمجھتا ہے؟

کارل مارکس کے مکتب میں منطق کلی طور پر جدلی منطق ہے۔ منطق جدلی اپنے اصول کو تمام موجودات پر حاکم تصور کرتی ہے۔ اس منطق کی اولین اصل اصلِ تضاد ہے اس معنی سے نہیں کہ دوسرے لوگوں نے کہا ہے بلکہ اس کے اپنے خاص معنی میں کہ ہر چیز اپنے اندر اپنی ضد رکھتی ہے اور اسی وجہ سے وہ حرکت کی حالت میں ہے۔ دوسری اصل، اصل حرکت ہے اور یہ حرکت بھی تضاد ہی کی پیدا کردہ ہے۔ یہ حرکت ایک تدریجی سلسلہ تغیرات کی

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

طرف لے جاتی ہے بلکہ حرکت خود ہی عین تدریجی تغیر ہے۔ یہ تدریجی تغیر جو ابتداء میں عددی اور مقداری کمی وزیادتی کا پہلو رکھتا ہے جب اس کی عددی ومعیاری زیادتی ٹھہراؤ پیدا کر لیتی ہے تو دھیرے دھیرے اس مرحلہ میں پہنچ جاتی ہے کہ جو کیفی تغیر پر منتہیٰ ہوتی ہے۔

اس کی مشہور مثال جو ہیگل نے بیان کی ہے وہ یہ ہے اگر ہم پانی کی حرارت پہنچائیں تو وہ رفتہ رفتہ گرم ہو جائے گا اور درجہ صفر سے بتدریج ۹۹ درجے سے اوپر پہنچ جائے گا مگر جب وہ سو درجے تک پہنچے گا تو یکبارگی اس میں تغیر پیدا ہو گا تو پانی بھاپ بن جائے گا اور کمی تغیر کیفی تغیر میں بدل جائے گا اور سو درجے سے پہلے تک تو وہ بہتا ہوا پانی ہی رہے گا لیکن سو درجے کے بعد وہ گیس ہو جائے گا یعنی اس کی ماہیت بدل جائے گی اور قہراً وہ قوانین جو پانی پر مسلط اور حاکم تھے گیس پر نہیں ہو سکتے اور اسی طرح اس کے برعکس۔

اس لئے یہ کیفی تغیر کمی تغیر کا معلول اور کمی تغیر حرکت کا معلول ہے اور حرکت معلول تضاد ہے لہٰذا کیفی تغیر معلول تضاد ہے۔ کیفی تغیرات کی افزائش بایں معنی ہے کہ یہ تضاد و کشمکش اپنے درجے کو پہنچ چکا ہے اور وہ ضد جو اس کے اندر متحرک تھی کامیاب ہو گئی ہے اس کی کامیابی اس معنی سے ہے کہ حقیقتاً ایک تیسری حالت وجود میں آ گئی ہے۔ پہلی حالت پیدائش کی ہے اور دوسری حالت اس کے رشد کی اور تیسری حالت تغیر کیفی اور شیٔ کے تکامل یافتہ ہونے کی ہے۔

بالکل یہی معاملہ جو طبیعی موجودات پر صادق آتا ہے معاشرہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ معاشرہ جس مرحلہ میں بھی ہوتا ہے وہ اپنی ضد کو اپنے اندر پروان چڑھاتا ہے اور یہی چیز حرکت و کشمکش کی طرف لے جاتی ہے اور آخر میں انقلابِ معاشرہ پر جو کیفی تغیر ہے منتہیٰ ہوتی ہے یعنی ایک معاشرہ کا معاشرتی نظام ایک دوسرے نظام میں بدل جاتا ہے اور جبری طور پر یہ جدید نظام اجتماعی کامل تر ہوتا ہے پھر یہ نظام بذاتِ خود اپنی ضد کی پرورش کرتا ہے پھر کشمکش شروع ہوتی ہے اور آخر میں ایک کیفی انقلاب حاصل ہو جاتا ہے اور بلند و برتر سطح پر ایک نیا عالی تر معاشرہ وجود میں آ جاتا ہے۔ درحقیقت ان سب کی جڑ اور اصل پیداواری

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

روابط و آلات ہیں۔

معاشرہ ہمیشہ دو طبقوں پر منقسم ہوتا ہے طبقہ اول، سابقہ حالت سے وابستہ اور طبقہ دوم جدید پیداواری آلات۔

سابقہ حالت سے وابستہ طبقہ چاہتا ہے کہ پہلے ہی والا ظاہری ڈھانچہ جو سابق پیداواری آلات کے مناسب تھا اس کا تحفظ کرے اور جدید یعنی دوسرا طبقہ جو جدید پیداواری آلات سے وابستہ ہوتا ہے چاہتا ہے کہ سماج کا ایک نیا ڈھانچہ بنائے دونوں کے درمیان کشمکش ہوتی ہے اور جبراً یہ کشمکش جدید پیداواری آلات سے وابستہ طبقہ کی کامیابی پر منتہیٰ ہوتی ہے۔

اس مکتب میں ہر ہو کام جو گذشتہ معاشرہ سے وابستہ طبقہ کے فائدے کے لئے ہے وہ کام ضد اخلاق ہے چاہے آپ اس کو کوئی بھی شکل اور کوئی بھی نام دیں۔ اگر آپ کہیں کہ اس شہر میں ایسے محتاج فقیر برہنہ اور بھوکے لوگ بھی ہیں جو گا ہے گا ہے بھوک سے مر بھی جاتے ہیں ایسے بیمار ہیں جن کو ہسپتال کی ضرورت ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی اخلاقی کام نہیں ہے کہ میں کچھ فقیروں کا شکم سیر کروں کچھ برہنہ لوگوں کو کپڑے پہناؤں اور کچھ بیماروں کا علاج کروں تو یہ مکتب کہے گا کہ نہیں یہ کافی نہیں ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ تمہارا یہ کام کس جہت سے ہے؟ اگر تمہارا یہ فعل معاشرہ کو تیزی سے تبدیلی اور انقلاب تک پہنچاتا ہے اور سرعت انقلاب کا سبب ہوتا ہے تو تمہارا یہ کام اخلاقی ہے اور اگر انقلاب کی تاخیر کا سبب ہوتا ہے تو اخلاقی نہیں بلکہ ضد اخلاق ہے ہر ہو کام جس سے بدتر کوئی کام نہ ہو مثلاً لوگوں پر ظلم کرنا اس مکتب کے ماننے والے اس کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ اگر سرعت تغیر و انقلاب میں تاخیر کا سبب ہو وہ اخلاق کی ضد ہے۔ اگر بنا ہو کہ بھوکوں کو شکم سیر کرنے، برہنہ لوگوں کو لباس پہنانے اور بیماروں کو ہسپتال لے جانے کی آپ کی کوشش محروم عوام کی تسکین خاطر کا سبب ہوگی اور حاکم طبقہ کے متعلق ان کا غم وغصہ فروع ہو جائے گا تو آپ کی یہ کوشش اچھی نہیں ہے۔ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے جس قدر ان کا فقر وفاقہ اور بے سروسامانی زیادہ ہو اچھا ہے تا کہ معاشرہ میں زیادہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

تحریک اورغم وغصہ کی لہر پیدا ہو۔ یا اسی طرح اگر کوئی ظالم ظلم کر رہا ہے اور جور وستم کو روا رکھ رہا ہے تو اگر ہم اس کو ظلم سے باز رکھنا چاہیں اور اس کا اثر یہ ہو کہ عوام کو آرام وسکون مل جائے گا جس کے نتیجے میں انقلاب وتغیر میں تاخیر ہوگی تو اسے بھی زیادہ سے زیادہ ظلم کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دینا چاہیئے تاکہ ان مظلوموں کا اس ظالم کے ساتھ تضاد و مناقشہ زیادہ سے زیادہ ہوجائے اور اختلاف کی خلیج عمیق سے عمیق تر ہوجائے کیونکہ جب تک شگاف عمیق تر نہ ہوگا انقلاب رونما نہ ہوگا اور معاشرہ بھی انقلاب کے علاوہ کسی اور راہ سے تکامل کی راہ طے نہیں کرے گا۔ یہ مکتب ''تکامل'' کو اپنی خاص نظر سے دیکھتا ہے اس کے لئے تکامل کوئی مفہوم نہیں رکھتا سوائے اس انقلاب کے جو معاشرہ کے اندرونی تضادوں سے پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے مکاتب تکامل تدریجی کی اصطلاحات کے قائل ہیں جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے۔

یہ مکتب اس بات کا قائل ہے کہ اگر میں ذرہ برابر بھی معاشرہ کی خدمت کروں تو وہی ایک ذرہ تکامل کی راہ میں ایک قدم ہے مثلاً یہ کہ کبھی انسان یہ چاہتا ہے کہ ایک درخت بارآور ہو یا شکم مادر سے بچہ صحیح سالم پیدا ہو اور کبھی یہ چاہتا ہے کہ دیگ پھٹ جائے تو یہ کام کی دو قسمیں ہیں اگر ہم کہتے ہیں کہ درخت میں پھل آئیں تو اس کی تھوڑی حفاظت کرنا بھی بہت مفید ہے اور جتنی زیادہ اس کی حفاظت ہوگی پانی دھوپ اور حرارت اس کو وقت سے ملتی رہے کیڑے نہ لگنے پائیں اور پانی کی کمی نہ ہو تو اس کے پھل عمدہ اور جلدی آئیں گے۔ اگر ایک جنین کی بھی زیادہ حفاظت کی جائے تو وہ زیادہ اچھی حالت میں صحیح وسالم دنیا میں آئے گا۔

لیکن اگر ہم ایک دیگ کو منفجر کرنا چاہیں تو اس دیگ میں پانی کی ایک مقدار ڈال دیں گے اور ہوا پاس ہونے کی تمام راہوں کو بند کردیں گے پھر اس کے نیچے آگ روشن کر کے اسے گرمی پہنچائیں گے تاکہ اس میں بھاپ پیدا ہوسکے اور اس کے دباؤ سے دیگ میں ایک ناگہانی دھماکہ ہوجائے گا۔ اگر اس دیگ میں چھوٹا سا بھی سوراخ رہ جائے گا تو وہ انفجار سے مانع ہوگا۔

اگر ہم ایک چیز میں کیفیتی اور ماہیتی تغیر لانا چاہتے ہیں تو معاشرہ کے لئے بھی ہمیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

ایسی ہی نظر درکار ہوگی کیونکہ معاشرہ بھی ایک ایسی ماہیت رکھتا ہے جو کبھی بھی پہلے مرحلے سے دوسرے مرحلے میں صلح آمیزی نہیں رکھتا بلکہ ہمیشہ ایک انقلابی اور دھماکہ خیز شکل میں ایک مرحلے کو خیر باد کہہ کر جبراً دوسرے مرحلے میں داخل ہوجاتا ہے۔ اگر تکامل کے سلسلہ میں یہی نظریہ ہو کہ تکامل معاشرہ کے دھماکہ کے علاوہ کسی اور طریقے سے پیدا نہیں ہوتا اور دھماکہ تضاد اور کشمکش کے عروج پر پہنچ جانے کے علاوہ کسی اور طریقے سے وجود میں نہیں آتا اور یہ تضاد کشمکش اگر عروج حاصل کرنا چاہے تو دو قسم کے کام کو وجود پذیر ہونا چاہیے۔ ایک خود مبارزہ کا طریقہ کار۔ دوسرے وہ کام جو مبارزہ کی طرف لے جاتے ہیں یعنی سکون واطمینان کو چھین لینا پروپیگنڈے کرنا حتیٰ کہ ایسے امور بھی انجام دینا جن سے عوام کے غم وغصے میں اضافہ ہو اور مستقبل میں یہ دھماکہ ہو سکے۔ اس بناء پر درحقیقت یہ کہنا چاہیئے کہ اس مکتب میں معیار انقلاب ہے تکامل نہیں اور اگر تکامل کو معیار مانا جائے تو اس جہت سے کہ یہ مکتب تکامل کے لئے انقلاب کے طریقے کے علاوہ کوئی اور طریقۂ عمل جانتا ہی نہیں اور نہ ہی اس کا قائل ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں تمام اخلاقی معیار بدل جاتے ہیں اور راست گوئی دروغ گوئی ہوجاتی ہے۔ کون سا فعل اخلاقی ہے خیانت یا امانت؟ ایثار یا بخل، صلح یا جنگ؟

اس مکتب کے ماننے والے کہتے ہیں کہ جس سے انقلاب کے پہیے میں تیزی آسکے اور جو انقلاب کی سرعت میں زیادہ مؤثر ہے وہ کام اخلاقی ہے جو ایسا نہ ہو وہ اخلاق کی ضد ہے۔

اس مکتب کی خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ صرف ایک ارزش کا قائل ہے۔ ارزش اقدار کا ٹکراؤ اور تضاد جو قدیم وجدید اخلاق یہاں تک کمیونیزم سے جدید تر اگزسٹینشلزم میں بھی بیان کیا گیا ہے وہ اس مکتب میں مورد بحث قرار نہیں دیا جاتا مذکورہ بالا مکاتب میں اقدار کا تضاد وٹکراؤ اس حیثیت سے ہے کہ ان میں صرف ایک ہی ارزش نہیں مگر مارکسی مکتب چونکہ یک ارزشی ہے اس لئے اس میں تعارض نہیں پایا جاتا۔ فرض کیجئے کہ ایک جوان بچپن ہی سے سایۂ پدری سے محروم ہوگیا جو اپنی ماں کا تنہا بیٹا ہے ماں نے بھی اپنے شوہر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

سے ہاتھ دھونے کے بعد بڑی زحمت ومشقت اور بڑی پریشانیوں سے اس بچے کو بڑا کیا اب وہ بچہ جوان ہوگیا ماں اپنی بیس سال کی کمائی پر نگاہ کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ اب تو سکون کی سانس لے اسے دیکھ کر لطف ولذت حاصل کرے۔ اس نے اپنی کل ہستی، امیدوں اور آرزوؤں کو اس بچہ پر فدا کردیا اور اب یہی تنہا جوان اس کا سارا ارمان ہے۔ دوسری طرف اس جوان کا ''وطن''، دشمن کے حملے کی آماجگاہ بن گیا اور ''مادرِ وطن'' بھی اس سے مدد حاصل کرنے لئے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔ یہاں یہ جوان دو ماؤں کے تضاد اور اقدار کے ٹکراؤ میں گرفتار ہے۔ مادرِ وطن کا کہنا ہے جنگ کے لئے جاؤ اور حقیقی مادر کہتی ہے نا جاؤ ان دو ماؤں میں سے وہ کس کا مثبت جواب دے؟ وہ مکاتب جو اخلاق کو عواطف اور مہر ومحبت کی بنیاد پر استوار جانتے ہیں وہ اقدار کے اس تضاد سے دوچار ہوتے ہیں لیکن یہ مارکسی مکتب جو یک ارزشی ہے اور ایک ارزش کے علاوہ کسی دوسری ارزش کا قائل نہیں ہے اور وہ ہے انقلاب ''اجتماعی'' لہٰذا کہتا ہے کہ دونوں پہلوؤں میں جو پہلو معاشرتی انقلاب کی مدد کرتا ہے اس کا انتخاب کرو۔ چونکہ اس مکتب میں تعارض اور ٹکراؤ بھی کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے کوئی دوسرا اخلاقی معیار بھی یہاں حاکم نہیں ہوسکتا۔ ممکن ہے ایک انقلابی جنگجو جس نے ایک عمر تک کسی شخص کے ساتھ جنگ کی ہو اور کمیونیزم اور مارکسی مکتب کی خدمت کی ہو پھر وہ ایسے مرحلے میں پہنچ جائے کہ کہنے لگے کہ اس وقت تک تو ہمارا یہ رفیق انقلاب کی سمت قدم زن تھا لیکن اب اس میں کچھ ایسی فکر پیدا ہوگئی ہے جو انقلاب کے لئے مانع اور مزاحم ہو رہی ہے تو فوراً اس کو درمیان سے ہٹا دیں گے اور اس شخص اور اُس شخص کے درمیان کوئی فرق نہ ہوگا جس نے پچاس سال تک مارکسی مکتب وہدف کے خلاف مبارزہ کیا ہے انقلاب ہی انسان کی ارزش اور قدر معین کرتا ہے تو اگر وہ ایک ارزش باقی نہ رہی تو پھر انہیں ختم کردینا چاہیئے وہ ایک کروڑ دو کروڑ ہی کیوں نہ ہوں بلکہ کرۂ زمین کی نصف یا دو تہائی آبادی ہی کیوں نہ ہو اس کو ختم کردینا مخالف اخلاق نہیں ہے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور معیار موجود ہی نہیں ہے اور یہ چیز خاص ان کے معاشرہ شناسی اور فلسفۂ تاریخ کے اعتبار ونظر کی پیداوار ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اس بات کے معتقد ہیں کہ تاریخ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بجز انقلاب کے نہ آگے بڑھی ہے اور نہ آگے بڑھے گی اور تکامل انقلاب کا مرہون منت ہے اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ ضد تکامل اور ضد اخلاق ہے۔کلی طور پر کیمونسٹی اخلاق میں فرد اور معاشرہ کے کی اصالت کے لحاظ سے بحث عنوان ہوئی ہے۔

ممکن ہے کوئی شخص تکامل کو اجتماع و معاشرہ کے تنہا و یگانہ معیار کے عنوان سے قبول نہ کرتا ہو بلکہ یہ کہتا ہو کہ ہم تکامل فرد و معاشرہ دونوں کے قائل ہیں اور کبھی ان دونوں کے درمیان تزاحم اور ٹکراؤ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔اگر ہم اصالت فرد کے قائل نہ ہوں بلکہ صرف معاشرے کے لئے ہی اصالت کو سمجھتے ہوئے یہ کہیں کہ ''فرد'' ایک اعتباری چیز ہے اور خود اس کا کوئی حکم نہیں ہے معاشرہ ایک حقیقی چیز ہے معیار تکامل،معاشرہ ہے اور جو چیز بھی معاسرے کے تکامل سے تضاد رکھتی ہو اس کو ختم کر دینا چاہئے کیونکہ جو کچھ بھی ہے وہ معاشرے سے ہی ہے۔

بلاتشبیہ اس جہت سے تو بالکل وہی مثال صادق آتی ہے جو قرآن میں خداوند عالم کے لئے آئی ہے کہ فرد خداوند عالم کے مقابلہ میں اپنا کوئی حق نہیں رکھتا۔سب چیزیں حتیٰ کہ خود وہ فرد بھی خدا کا مال ہے کوئی فرد کوئی انسان اپنی ملکیت میں کوئی چیز رکھتا ہے تو دراصل وہ خدا کی ملکیت ہے افراد اپنے درمیان اور آپس میں حقوق اور مالکیت تو رکھتے ہیں مگر جب ہم خدا کی نسبت سے حساب لگائیں گے تو پھر کوئی کچھ نہیں رکھتا۔

آلِ حمدان سے متعلق ابوفراس کا ایک بڑا دلچسپ واقعہ ہے ابوفراس چوتھی صدی ہجری کے عربی شعراء میں بڑے نامور اور بڑے زبردست شیعہ شاعر تھے تقریباً فارابی کے دور کے معاصر تھے اور آلِ حمدان کے دربار سے متعلق تھے،آل حمدان بڑے ادب دوست اور علم پرور بادشاہ تھے اگرچہ ان کی حکومت رقبہ کے اعتبار سے کوئی وسیع نہ تھی مگر خصوصیت اور کیفیت کے اعتبار سے بڑی باقدر و منزلت تھی۔فارابی نے اپنی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد انہیں کے دربار کا انتخاب کیا اور خلافت بغداد کو چھوڑ کر دربار سے وابستگی اختیار کر لی وہیں وفات پائی اور سیف الدولہ حمدانی نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بہر حال ابوفراس اور دوسرے شعراء بھی سیف الدولہ کے دربار سے وابستہ تھے۔

ایک مرتبہ تمام شعراء اور ادباء دربار میں بیٹھے تھے کہ سیف الدولہ نے آکر کہا میں نے ایک مصرعہ کہا ہے اور میرا خیال ہے کہ ابوفراس کے علاوہ کوئی دوسرا اس شعر کو مکمل نہیں کر سکتا۔

سیف الدولہ نے جو مصرعہ کہا تھا اس کا ایک مخصوص وزن بھی تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

(سیف الدولہ اپنے معشوق سے خطاب کر کے کہتا ہے) یہ میرا جسم جب تجھ سے ہے تو کیوں ہمیشہ اس کو رنج و غم پہنچایا کرتا ہے ایک ہی دفعہ اس کا خون کیوں نہیں بہا دیتا۔

ابوفراس نے فوراً معشوق کی طرف سے جواب دیتے ہوئے کہا اگر میں ہی اس کا مالک ہوں اور اس کا اختیار میرے ہاتھ میں ہے تو میں چاہے اس کو رنج دوں یا اس کا خون بہاؤں۔ آج یہی بات معاشرے کے لئے بھی پیش آگئی ہے کہ اصالت اور اختیار معاشرے کے ہاتھ میں ہے مگر دوسرے مکاتب ایسے نہیں ہیں بعض تو مطلق اصالت فردی کے قائل ہیں اور بعض جو مطلقاً اصالت فردی کے قائل نہیں بھی ہیں تو کم سے کم کسی حد تک فرد کی اصالت کے قائل ہیں۔ لہٰذا آزادی اور مساوات کے مسئلہ میں یہ چیز ہمیشہ معمہ بنی رہی کہ آزادی اور مساوات انسان کی دو متعارض قدریں ہیں۔ یعنی اگر افراد آزاد ہوں گے تو مساوات ختم ہو جائے گی اور مکمل طور پر مساوات لانا چاہیں گے تو مجبوراً آزادی کو محدود کرنا پڑے گا، اس لئے کہ انسانی افراد کسی کارخانے کے مال کے مانند نہیں ہیں جو کارخانے سے یکساں برآمد ہوتا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ بلکہ انسانوں میں کوئی با استعداد ہے تو کوئی کم استعداد رکھتا ہے کوئی قوی ہے کوئی ضعیف کوئی جدت و جودت رکھتا ہے تو کوئی نہیں۔ کوئی سست اور بے کار ہے تو کوئی تیز اور کوشاں۔ اگر ہم معاشرے کو میدان مقابلہ کے لئے آزاد کر دیں تو ایک گروہ جائے گا اور ایک گروہ نہیں جائے گا۔ کوئی اپنی سستی کی وجہ سے اور کوئی اپنی کمزوری کی وجہ سے آخر آزادی کی روک تھام اور انفرادی حقوق کو کنٹرول کرنے کے لئے مجبور ہیں۔ کسی ایک کا مال لے کر کسی دوسرے کو دینے کے لئے مجبور ہیں۔ ایک ریس کے میدان میں ایک دوسرے کے ساتھ گھوڑے دوڑانا چاہتے ہیں تو دو حالتیں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

درپیش ہوتی ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ گھوڑوں کو فوجی گھوڑوں کی طرح دوڑانا چاہتے ہیں اور سب گھوڑوں کو ایک ہی صف میں لا کر اس طرح کہ سب کے کان ایک دوسرے کے برابر ہوتے ہیں اور معین طریقے سے دوڑاتے ہیں۔ مثلاً اگر یہ طے ہے کہ ایک گھنٹے میں دس کلومیٹر دوڑانا ہے تو قہراً پہلے سب کو اپنے اپنے گھوڑوں کو کنٹرول میں کرنا چاہئے تو اس وقت سبھی گھوڑے ہم آہنگی کے ساتھ دوڑیں گے۔ سو فوجی گھوڑے دوڑ رہے ہیں اور ایک گھنٹے میں دس کلومیٹر کی مسافت طے کر رہے ہیں اور کوئی بھی ایک دوسرے سے آگے نہیں دوڑتا۔ ان میں بہت سے گھوڑے ایسے بھی ہیں جو سرکشی کر رہے ہیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں مگر ان کے سوار آگے نہیں بڑھنے دیتے ان سب کو برابر کے ساتھ دوڑنا ہے اس صورت میں گھوڑوں کی آزادی چھین لی گئی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مسئلہ آزادی اور مقابلہ کا ہے جس میں قہری طور پر ایک پیچھے رہ جائے گا اور ایک آگے بڑھ جائے گا اور برابری درہم برہم ہو جائے گی، معلوم ہوا کہ اگر مساوات و برابری پیدا کرنا چاہتے ہیں تو مجبوراً ہمیں آزادی ختم کرنی پڑے گی، آزادی فرد سے تعلق رکھتی ہے اور مساوات معاشرے سے، دنیا میں دو کیمپ موجود ہیں۔ مغربی اور مشرقی۔ مغربی کیمپ نے تو مساوات کو پامال کر کے بالکل فردی آزادی پر تکیہ کیا ہے اور مشرقی کیمپ نے آزادی ختم کر کے مساوات پر تکیہ کیا ہے ان دونوں کا سرچشمہ دو مختلف فلسفے ہیں۔

یہاں مارکس کے مکتب پر یہ نقص اور اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ اگر ہم معیار کو تکامل سمجھ لیں اور تمام اصالتوں کو معاشرے کے سپرد کر دیں اور فرد کی کسی ارزش کے قائل نہ ہوں لیکن چونکہ ہم ایک ارزشی نہیں ہو سکتے اس لئے کہ جس طرح سے تکامل معاشرتی قدروں میں سے ایک قدر اور ارزش ہے اسی طرح تکامل فرد بھی اس کے لئے ایک ارزش ہے چنانچہ بعض اوقات وہ قدروں یعنی قدر اجتماعی اور قدر انفرادی کے درمیان ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور یہ چیز مارکس کے مکتب کے نقطۂ نظر سے قابل بحث و مناقشہ ہے۔ اس کے علاوہ بالفرض اگر ہم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

معاشرے کے تکامل کو ہی معیار قرار دیں چاہے تنہا معیار کی حیثیت یا معاشرے کے دوسرے معیاروں میں سے ایک معیار کی حیثیت سے تب بھی ہم یہ قبول نہیں کرتے کہ تکامل صرف کیفی تغیرات اور انقلاب کا ہی رہین منت ہے اور معاشرہ بجز انقلاب کسی اور راہ سے تکامل کی منزل نہیں طے کر سکتا حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انقلاب ہی کمال کی حتمی اور لازمی راہ ہے۔ اس لئے کہ بہت سے انقلاب معاشرے کو کوئی کمال عطا کئے بغیر بھی رونما ہوئے ہیں۔ پھر یہ کہ کمال ہمیشہ کمی و کیفی تبدیلی اور تغیرات سے حاصل ہوتا ہے نہ یہ انسانی طبیعت پر صادق آتا ہے اور نہ ہی غیر انسانی طبیعت پر۔ اگر ہم ایک پودا لگائیں اور وہ درخت ہو جاتا ہے تو وہ کس وقت اس قسم کے کیفی تغیرات پیدا کرتا ہے؟ بالفرض اگر ہم قبول کر لیں کہ اس کی حرکت اندرونی تضاد کی معلول ہے اور THESIS اور ANTY THESIS مرحلے کو طے کیا ہے۔ لیکن ہم مرحلہ SYN THESIS کو کیسے قبول کریں گے؟

فرض کیجئے کہ ہم نے ناشپاتی کا پودہ لگایا اس نے تدریجاً اپنے تکامل کا راستہ طے کیا اور ہرا بھرا درخت ہو گیا۔ سالہا میوے دیئے پھر بوڑھا اور پرانا ہو گیا اس میں کسی قسم کا کیفی تغیر بھی پیدا نہیں ہوا اور پھر وہ ختم بھی ہو گیا اگر یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام درخت ہی مرحلہ "حکم" میں ہے اور اس کی ضد اس وقت وجود میں آتی ہے جب وہ مردہ ہو جاتا ہے اور اس کی ضد کی ضد اس وقت ہوتی ہے جب وہ دوسری مرتبہ دوسرے درخت کی صورت میں وجود میں آتا ہے تو اس صورت میں ہم پوچھتے ہیں کہ اس نے مرحلہ قبل میں جو حرکت پیدا کی تھی وہ کیا تھی؟ وہ درخت بیس سال حرکت کی حالت میں تھا۔ تم کہتے ہو کہ جب تک اس کے اندر تضاد نہ ہوگا کوئی حرکت پیدا نہ ہوگی اس بناء پر نہ تو بے جان طبیعت ایسا کوئی قانون رکھتی ہے اور نہ جاندار طبیعت مثلاً انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی عمر کے دوران ان تین مراحل سے کیوں کر تطبیق دے سکتا ہے؟ خلاصہ یہ کہ یہ نظریہ دو جہتوں سے قابل اعتراض و بطلان ہے اور کمیونسٹی اخلاق اسی پر مبنی ہے اس لئے وہ بھی باطل ہے وہ دو جہتیں یہ ہیں:

(ا) اول یہ کہ ہم یہ قبول ہی نہیں کرتے کہ معاشرے کا تکامل

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

واحدوتنہا میعار ہو چونکہ یہ مبنی ہے اجتماع ومعاشرہ کی اصالت اورفرد کی اعتباریت پر اور یہ چیز علمی وحقیقی نہیں ہے بالفرض اگر ہم تکامل کو معیار مان بھی لیں تب بھی ہم ایک ارزشی نہیں ہیں بلکہ ہم اس بات کے معتقد ہیں کہ اس کے پہلو میں دوسرے معیار بھی وجود رکھتے ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ اگر بالفرض ہم تکامل کو ہی واحد اور تنہا معیار مان لیں لیکن ہم یہ قبول نہیں کرتے کہ تکامل ہمیشہ انقلاب کے ذریعہ ہوگا ہے چند استثنائی موارد کو دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سراسر طبیعت ہی ایسی ہے خصوصاً عینی مشاہدات کو دیکھتے ہوئے۔ جو اس قضیہ کے خلاف ثابت کرتے ہیں۔

دوسرا اخلاق وہ اخلاق ہے جس کی برٹرنڈ رسل پیش کرتا ہے۔ اس نے متعدد کتابوں میں اپنے نظریئے کو بیان کیا ہے اس کی ایک مشہور کتاب ''وہ دنیا جسے میں پہچانتا ہوں'' ہے اس کتاب کی ایک فصل اخلاق کے متعلق مخصوص ہے اس نے ایک دوسری کتاب بھی ''ازدواج اور اخلاق'' کے نام سے لکھی ہے جس کا ایک حصہ جنسی اخلاق سے مخصوص ہے وہ دراصل عقل اخلاق کو تیزی اور ہوشیاری کے معنی میں خیال کرتا ہے وہ نہ تو افلاطونی اخلاق کی بہتری اور فضیلت پر اعتقاد رکھتا ہے اور نہ اس کو ارسطوئی حدوسط پر اور نہ ہی وہ کانٹ کے احساس وتکلیف اور وجدانی اخلاق کا معتقد ہے اور نہ ہی کسی دوسری چیز کا۔ بلکہ کہتا ہے کہ انسان ایک ایسا موجود ہے جو قہراً وجبراً منفعت خواہ پیدا کیا گیا ہے وہ صرف اپنے فائدے اور منفعت کے درپے رہتا ہے یہ نہ یقین کرو کہ انسان اپنے فائدے کے علاوہ کچھ اور چاہتا ہے۔ دوسری طرف ہم معاشرے میں روابط حسنہ کے سلسلہ کی ضرورت واحتیاج رکھتے ہیں جس کا نام ہم نے اخلاق رکھ چھوڑا ہے اور تلقین کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرو، ایک دوسرے کا احترام کرو اپنے سماجی اور اجتماعی فراض انجام دو دوسروں کی شخصیت کا پاس وادب کرو انسان اپنی اجتماعی زندگی میں ''بنام اخلاق'' جن چیزوں کا نیاز

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

مند ہے وہ یہی چیزیں ہیں وہ پھر کہتا ہے:

ہمیں کوئی ایسا کام کرنا چاہئے کہ یہی اصول معاشرے میں حکم فرما ہو جائیں اور سبھی افراد اس اصول کے معتقد ہو جائیں ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرتے رہیں اپنے فرائض کو انجام دیتے رہیں اور ایک دوسرے کا احترام کرتے رہیں۔ تم ان چیزوں کو ایک غیر مادی مبنی اور بنیاد پر قرار دینا چاہتے ہو مثلاً ہم کیوں دوسرے کے حقوق کی رعایت کریں؟ کیا یہی فضل وشرف ہے اور ہماری ذمہ داری اور مسئولیت ایسا ہی ضروری جانتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ باتیں بے بنیاد اور بے سروپا ہیں، حقیقت یہ ہے کہ انسان کا نفع اور فائدہ انہیں چیزوں میں ہے اور ہمیں انسانوں کو یہ سمجھا جاتا ہے چاہیے کہ تجھے اپنے فائدے اور خوشی کے پیچھے رہنا چاہئے اسی میں تیرا فائدہ ہے۔

تو غلطی کر رہا ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ اگر دوسرے کے حق کو پامال کر دیا تو اپنے کو فائدہ پہنچایا ہے یا اگر تو نے اپنے فریضے کو انجام نہیں دیا تو اپنے کو نفع پہنچایا ہے یا دوسروں کے احترام کی رعایت نہ کر کے تو نے فائدہ اٹھالیا ہے۔ نہیں یہ سب غلط ہے بلکہ انسان کی عقل وہوش کو بڑھاوا دینا چاہئے اور اسے دوراندیشی سکھانی چاہئے جو انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اس کا فائدہ لوگوں کے حقوق کو پامال کرنے میں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نزدیک بین ہے دوراندیش نہیں وہ فقط اپنے پیروں کو دیکھ رہا ہے اور عکس العمل پر توجہ نہیں رکھتا۔ لہٰذا انسان کو تمام عکس العمل کو سمجھنا چاہئے۔ مثلاً اگر کچھ لوگ ایک کمرے میں ایک ساتھ رہتے ہیں تو ممکن ہے کہ سستی یا کسی اور وجہ سے کمرے کی حالت کو اہمیت نہ دیتے ہوں اور یہ توقع بھی رکھتے ہوں کہ کمرے کو ہمیشہ صاف ستھرا اور منظم ہونا چاہئے یہاں یہ جلدی سمجھا یا جاسکتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے فریضے کو انجام دے تا کہ کمرہ صاف ستھرا اور منظم رہے۔ جس وقت میں نے یہ سمجھ لیا کہ ان کا فائدہ بھی اسی میں ہے تو اب قہراً سب اپنا اپنا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

کام انجام دینے لگیں گے اس لئے کہ انسان منفعت خواہ ہے۔

رسل پھر مثال دیتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ میں سوچوں کہ جا کر ہمسایہ کی گائے چرالوں تو مجھے زیادہ فائدہ ہوگا لیکن جب مجھے سمجھایا گیا کہ اگر تو اپنے ہمسایہ کی گائے چرالے گا تو وہ بھی آ کر تیری گائے چرالے گا اور کوئی ہمسایہ اگر تیری کوئی دوسری چیز چرالے گا پھر بجائے ایک فائدے کے تیرا سو نقصان ہو جائے گا۔ جب میں نے اتنا سمجھ لیا تو اب میں اس ہمسایہ کی گائے نہیں چراؤں گا کہ میری طرف متعدد چوروں کی نظر نہ ہو اور یہ بہت طبیعی وفطری بات ہے۔ یا ایک بچہ مدرسہ جانا چاہتا ہے تو چونکہ وہ نزدیک میں ہے اور صرف آج کے لئے سوچ رہا ہے اس لئے افسوس کرتا ہے کہ میں مدرسے جاؤں گا تو چند گھنٹے مجھے وہاں رہنا پڑے گا اور میرے کھیل کود کا وقت خراب ہو جائے گا۔ وہ اپنے کو خوشی اور زحمت کے درمیان دیکھتا ہے وہ عقل ہوش کی تیزی نہیں رکھتا کہ مسئلہ کے انجام وعاقبت کو تول سکے اور سمجھ سکے کہ اگر میں آج سبق نہیں پڑھتا اور کل بھی اسی طرح کروں تو میرا یہ نہ پڑھنا کہاں منتہی ہوگا اور پڑھنے کا انجام کیا ہوگا؟ وہ نہیں سمجھتا مگر اس کے ماں باپ سمجھتے ہیں اور وہ بھی بچے کی بھلائی چاہتے ہیں بچہ بھی اپنا فائدہ چاہتا ہے مگر وہ اپنے فائدہ ایک ننھی سی کرن میں دیکھ رہا ہے اور ماں باپ اس کے فائدے کو ایک بڑی روشنی اور شعاع میں دیکھتے ہیں لہٰذا ماں باپ کی یہی منفعت سنجیاں بچے کو محرومیت اور رنج وغم کی طرف لے جاتیں ہیں اور وہ رنج ہے درس پڑھنا تمام دوسرے اخلاقی کام بھی اسی طرح ہیں، مثلاً مجھے راست گو اور امین ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر میں راست گو اور امین نہ ہوں گا تو پھر کوئی میرے حق میں راست گوئی اور امانت داری سے کام نہیں لے گا لہٰذا میرا فائدہ اسی میں ہے۔

رسل کا کلام درحقیقت اخلاق کا انکار ایک ارزش کے عنوان سے ہے اس لئے کہ وہ اخلاق کو سود ومنفعت کے بارے میں بیان کرتا ہے۔ اس کے کلام اور نظریہ وعقیدہ پر سب سے پہلا جو اعتراض وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رسل وہ اخلاق پیش کرنے کی تجویز کرتا ہے جو عالی اور پاکیزہ اقدار سے خالی ہے اور رہا یہ کہ اخلاق مافوق منفعت کوئی چیز نہیں ہے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

بلکہ خودمنفعت ہے تو یہ خودرسل کے معرکوں کے خلاف ہے جن لوگوں نے رسل کے فلسفے کے خلاف نعرے بلند کئے ہیں ان میں سے ایک خودرسل ہے۔اس نے خوداپنے کودنیا میں انسان دوستی اورانسان خواہی سے مشہور کررکھا ہے حالانکہ خوداس کا فلسفہ اس حقیقت کے خلاف ہے۔اس کا فلسفہ تومنفعت طلبی اورسودجوئی کا ہے۔

اس مجوزہ اخلاق پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فقط ایک منفعت کی جگہ ہے جہاں طاقتیں مساوی ہوتی ہیں مثلاً یہی ہمسایہ کی گائے جس کی اس نے مثال دی ہے تو جہاں دو طاقتیں برابر کی ہوں گی تو وہاں تو آپ خوب لحاظ کریں گے لیکن جہاں کم اورضعیف قدرت و طاقت کے مقابلے میں کوئی زیادہ اورغیرمعمولی طاقت ہواوراس غیرمعمولی طاقت کو یہ معلوم ہے کہ ضعیف وکمزورتوسوسال تک یہ قوت وطاقت حاصل نہیں کرسکے گا لہٰذا وہ آکر اپنا فائدہ اٹھا لے اس کے لئے یہ اخلاق کوئی باز پرس نہیں رکھتا۔رسل کے کہنے کے مطابق اگر برژنیف کارٹر کے مقابلہ میں آئے تو یہاں اخلاق کا حکم ہوگا کہ کارٹر بھی اخلاقی ہواور برژنیف بھی اسی لئے کہ دونوں کی طاقتوں کا یہ بالکل تقاضہ نہیں ہے کہ یہ دونوں کمزورقوموں کے مقابلے میں اخلاقی ہوں اس لئے کہ یہ دونوں کو معلوم ہے کہ کمزورقومیں طاقت نہیں رکھتیں بلکہ یہ شروع سے ہی موقع نہ دیں گے کہ وہ قدرت وطاقت پیدا کرسکیں لہٰذاانہوں نے کامل اطمینان خاطر پیدا کرلیا اورجب کامل اطمینان پیدا ہوگا تو پھر مسٹررسل کے اخلاق کا کیا کام ہے؟

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اصولاً دنیا میں اخلاق اس لئے ہے کہ وہ کسی طاقت ورکو اس کی طاقت کے عروج کے وقت روکے حضرت علیہ السلام فرماتے ہیں:

اولی الناس بالعفو اقدرھم علی العقوبہ

جوشخص زیادہ قدرت وطاقت رکھتا ہے اسے عفوودرگذر کی اپنے کو زیادہ تلقین کرنی چاہئے۔ورنہ جواخلاق منافع کی بنیاد پر ہوگا وہ فقط طاقتوں کی برابری فرض کرنے ہی پر قائم ہوسکتا ہے۔

ہمارے آشناؤں میں سے ایک صاحب جواب ضعیف ہوچکے ہیں کہتے ہیں کہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com

Presented by: https://jafrilibrary.com

میں ایک ادارہ میں ملازم تھا اور ایک صاحب کے ساتھ ایک کمرے میں کام کرتا تھا۔ہم دونوں کو ایک ایک میز دی گئی تھی۔ رمضان کا مہینہ آیا تو میں بھی روزہ رکھتا تھا اور وہ بھی ایک روزہ وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں جب ماہ رمضان میں روزہ رکھتا ہوں تو میرا اخلاق معمول کے مطابق نہیں رہتا روزہ مجھے چڑچڑا بنا دیتا ہے جب ایسا ہے تو ممکن ہے کہ نا گہانی طور پر جناب عالی کی خدمت میں کوئی گستاخی اور جسارت ہو جائے تو امید ہے کہ جناب عالی ناراض نہ ہوں گے۔ میں نے دیکھا کہ عجیب معاملہ ہے انہوں نے تو اول رمضان ہی سے اتمام حجت اور عذر خواہی کر لی۔ میں نے بھی ان سے کہا کہ آپ کی یاد دہانی بجا اور درست ہے میرا بھی یہی حال ہے بلکہ میں تو آپ سے بھی بدتر روزے کی حالت میں ہوتا۔ ہوں جب میں بوکھلا جاتا ہوں اور غصے میں ہوتا ہوں تو مارنے لگتا ہوں۔ میں بھی خواہش کرتا ہوں کہ اگر ماہ رمضان میں مجھ سے کوئی جسارت سرزد ہو جائے تو مجھے معاف فرمائیں گے جب میں نے یہ بات کہی تو انہوں نے کہا کہ پھر بہتر ہے کہ ہم دونوں میں ہر ایک ایک دوسرے کا پاس ولحاظ رکھے۔

جہاں دو نفر مساوی اور برابر و مساوی نہ ہوں تو وہاں اخلاق کا وجود نہیں، اس لئے رسل کا یہ پیش کردہ اخلاق اخلاق نہیں بلکہ اخلاق کا انکار ہے کیونکہ کہ اخلاق قدر و قدا کے مساوی اور منفعت و حیوانیت سے بلند چیز ہے۔ اخلاق یعنی انسانیت اور انسانیت یعنی حیوانیت اور مادی منفعت سے بلند ارزش۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی بناء پر جو نتیجہ اخلاق سے حاصل کر سکتے ہیں وہی تعلیم سے بھی حاصل کر سکتے ہیں اس طرح کے لوگوں کو سمجھایا جائے کہ سب کے فائدے کا یہی تقاضا ہے۔ اس پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ بات بھی ان لوگوں سے کہہ سکتے ہیں جو قدرت اور طاقت کے لحاظ سے برابر اور مساوی ہوں۔ نہ ان لوگوں سے جو معاشرے میں طاقت ور ہوں بلکہ اگر اخلاق کا معیار فقط منافع ہو تو یہ فلسفہ طاقت ور انسان کو ضد اخلاقی امور کی طرف اور زیادہ راغب کرے گا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com
Presented by: https://jafrilibrary.com